إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

اسلام اور عدل و احسان

از:

رئیس احمد جعفری (ندوی)

(رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ)

373

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ۔ لاہور

یکے از مطبوعات ثقافتِ اسلامیہ لاہور

طبع اوّل ۱۹۶۰ء

مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور

باہتمام محمد اشرف ڈار سکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور

نذر

پاکستان کی نئی حکومت اور مستقبل کی ہر پاکستانی حکومت کے واسطہ سے ملّتِ اسلامیہ کے نام، کہ جب تک ملّت عدل و احسان کے راستے پر گامزن نہ ہو، حکومت بھی اس جادۂ صحیح پر استوار نہیں ہو سکتی ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں بھی ہوں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے۔ ٹھکانے لگا دے اسے

تقدیم

یہ کتاب جس کا نام " اسلام اور عدل و احسان " ہے میں نے ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے اکیڈمیک ڈائریکٹر پروفیسر میاں محمد شریف صاحب ایم اے (آکسن) سابق صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ارشاد پر لکھی ہے۔

میاں صاحب نے ادارہ کے لئے تصنیفات کا جو جدید پروگرام وضع کیا ہے وہ ایک خاص مقصد کے ماتحت مرتب فرمایا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اور اسلام سے دلچسپی رکھنے والے تمام لوگوں کے سامنے تعلیماتِ اسلامی کے وہ پہلو اجاگر کر کے پیش کئے جائیں جو تعمیری اور اصلاحی حیثیت سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ اور جنہیں عام طور پر مسلمان عوام ہی نہیں خواص تک نظر انداز کئے ہوئے ہیں حالانکہ اگر یہ مسائل پیش نظر رہیں تو قومی تعمیر اور تشکیلِ نو کا مسئلہ بہت آسان ہو جائے، سوسائٹی اور حکومت دونوں کی تعمیر مستحکم اور محکم بنیادوں پر ہو سکتی ہے۔

میں نے اس کتاب کی تالیف میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ مواد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ خدا کرے میری یہ محنت قبول ہو۔

اہلِ علم سے میری درخواست ہے کہ اگر کہیں کوئی کوتاہی نظر آئے تو مجھے مطلع فرمایا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے!

رئیس احمد جعفری

رفیق ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ۔ لاہور

۶۔ جولائی ۱۹۶۰ء

مندرجات

نذر ۳
تقدیم ۵
حرفِ آغاز ۹
مقدمہ ۱۴
ملاحظات ۳۰
اللّٰہ ۳۱
اسماءِ حسنیٰ ۳۴
خدا نہ ظلم کرتا ہے نہ ظالموں کو پسند کرتا ہے ۳۷
بندوں کے ساتھ خدا کا برتاؤ ۴۰
ظالموں کو بھی خدا مہلت دیتا ہے ۴۴
رحمت و مغفرت کی بشارت ۴۸
خدا کا احسانِ بے پایاں ۶۰
فرائض و محرمات میں رعایت و سہولت ۶۴
احادیثِ نبوی اور خدائے رحمٰن و رحیم ۶۵
حرفِ آخر ۷۴
عدل و قسط کا حکم ۷۹
اعتدال و اقتصاد کا فرمان ۹۵
احسان اور عفو و درگزر کی تاکید ۱۰۲

صلۂ رحم ۱۱۳
رسول اکرمؐ اور کفار و مشرکین ۱۱۹
عدل و احسان کے عمومی ۱۳۷
احسان کی تاکید، عفو کا حکم، سیئات سے بچنے کی تلقین ۱۳۸
عدل انبیاء کے ساتھ ۱۵۶
عدل عبادت میں ۱۷۲
عدل و احسان خود اپنی ذات کے ساتھ ۱۹۲
عدل و احسان ذاتی اور قومی دشمن کے ساتھ ۲۰۷
عدل و احسان کافروں اور مشرکوں کے ساتھ ۲۲۳
عدل و احسان منافقوں اور مرتدوں کے ساتھ ۲۳۸
عدل و احسان اہل معاملہ کے ساتھ ۲۴۸
عدل و احسان مقروض کے ساتھ ۲۵۷
عدل و احسان دوستوں اور شناساؤں کے ساتھ ۲۶۸
عدل و احسان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ۲۷۳
عدل و احسان عورت کے ساتھ ۲۸۴
عدل و احسان بیوہ کے ساتھ ۳۰۳
عدل و احسان بیوی کے ساتھ ۳۰۷
عدل و احسان اولاد، خاص طور پر لڑکی کے ساتھ ۳۱۹
عدل و احسان والدین خاص طور پر ماں کے ساتھ ۳۲۷
عدل و احسان یتیم، مسکین، مسافر، سائل، غلام، پڑوسی، مقروض اور اقرباء کے ساتھ ۳۳۸
عدل و احسان سرمایہ دار، بندۂ مزدور اور کاشت کار کے ساتھ ۳۵۸
عدل و احسان مجرم کے ساتھ ۳۶۷
عدل و احسان سوسائٹی کے ساتھ ۳۷۵
عدل و احسان جانوروں اور پرندوں کے ساتھ ۳۸۵

حرفِ آغاز

میری اس کتاب کا نام ہے "اسلام اور عدل و احسان" عربی زبان میں عدل کے لئے اعتدال، تعدیل، میزان، قسط، اقتصاد، توسط وغیرہ۔ اور احسان کے لئے فضل، عفو، انعام، صفح رحم وغیرہ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن نے بھی ان کا استعمال کیا ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ واعظ کی شعلہ مقالی، ملا کی آتش بیانی اور عالمِ دین کی شیوا زبانی کا مرکز و محور یا تو یہ رہ گیا ہے کہ حربِ عقائد کا بازار گرم کیا جائے یعنی یہ شیعہ ہے وہ سنی، یہ بدعتی ہے وہ وہابی، یہ بریلوی ہے وہ دیوبندی یہ حنفی ہے وہ شافعی، یہ حنبلی ہے وہ مالکی، صرف یہ مسلمان ہے اور وہ کافر، غرض حلقوم و گلو کی پوری قوت سے انہی طائفی اختلافات کو ابھارا اور نمایاں کیا جاتا ہے اور یا پھر اس پر اکتفا کر لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو نماز کی تلقین کی جائے، روزے کی ترغیب دی جائے، حج پر آمادہ کیا جائے، زکوٰۃ کے فضائل وردِ زبان رکھے جائیں۔

اور فقہی مسائل کے بیان کو کافی سمجھ لیا جائے۔

کوئی انصاف پسند حقیقت اور واقعے سے انکار نہیں کرسکتا۔ اگر طائفی اور حزبی اختلافات موجود ہیں تو ان کی موجودگی نہ افسوس ناک ہے، نہ ان کی تردید قابل اعتراض!

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

لیکن اگر فروعی اختلافات پر "رفع یدین" شروع ہو جائے اور غیر بنیادی مسائل پر ملت میں افتراق اور امن و امان میں خلل پیدا ہونے لگے تو یہ چیز افسوس ناک بھی ہے اور قابل اعتراض بھی۔ اسی طرح اگر زور صرف صوم و صلوٰۃ اور مسائل فقہی پر دیا جائے اور اسلام کی ان حیات آفریں تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جائے جنھوں نے ایک جاہل اور اُجڈ قوم کو "جہانگیر و جہانبان و جہاں دار و جہاں آرا" بنا دیا تھا، تو اسے قوم کی بدبختی قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے۔

عدل اور احسان دیکھنے میں دو لفظ ہیں، لیکن غور کیجئے تو ان میں گنج معانی پنہاں ہے اسلام نے کسی چیز پر اتنا زور نہیں دیا جتنا عدل پر، جتنا احسان پر۔

ایک زندہ اور فعال قوم اگر عدل سے ناآشنا اور احسان سے نامانوس ہو تو وہ زندگی کا حق نہیں رکھتی، قوموں اور ملتوں کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بکھری ہوئی ہیں۔ نگاہِ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں اسی قوم کو سربلندی حاصل ہوئی جس نے عدل کو اپنا شعار بنایا اور احسان کو اپنی خصوصیت قرار دیا۔

آج دنیا مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور یہ مختلف گروہ ایسا معلوم ہوتا ہے میدانِ جنگ میں اترنے کے لئے خم ٹھونک رہے ہیں، دنیا کی جنگی تیاریاں ہولناک

حد تک بڑھتی جا رہی ہیں۔ پہلے ایٹم بم بنا، پھر ہائیڈروجن بم عالم وجود میں آیا، پھر راکٹ نے پر پرواز پیدا کئے، اور اب چاند اور سورج کے مدار میں کشش ارض کو توڑ کر انسان کے بنائے ہوئے سیارے گردش کر رہے ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ یہ تیاریاں کس لئے ہیں —؟ جنگ کے علاوہ جواب میں کوئی اور نام بھی لیا جا سکتا ہے؟

لیکن یہ قومیں، یہ متحارب اور قوت آزما قومیں اگر عدل پر عامل ہوتیں، اگر احسان ان کی سرشت میں داخل ہوتا تو اشتعال انگیز آلات و اسلحہ کی ضرورت تھی؟ کیا پھر بھی جنگ کا نام زبان پر آ سکتا تھا؟

فرانس اگر الجزائر کے ساتھ انصاف کرنے پر آمادہ ہو، روس اگر ترکی اور ایران کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرے، چین اگر بھارت کے ساتھ عادلانہ رویہ اختیار کرے بھارت اگر کشمیر کے معاملے میں اور ناگا قبائل کے ساتھ راہ عدل پر گامزن ہو، اگر مغربی اور مشرقی جرمنی کو، جنوبی اور شمالی کوریا کو، فلسطین اور اسرائیل کو ظلم، دھاندلی اور ناانصافی کے بل پر ایک دوسرے سے جدا رہنے پر مجبور نہ کیا جائے تو یہ

ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

کی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟

ہر قوم اپنا "مفاد" محبوب رکھتی ہے، خواہ دوسرے کے مفاد سے کتنا ہی غیر عادلانہ رویہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے، یہی مفاد قوموں اور ملتوں کو عدل کے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ احسان و عفو سے ناآشنا کر دیتا ہے۔ پھر — سر کٹنے لگتے ہیں، دھڑ گرنے لگتے ہیں۔

عدل اور احسان و عفو خدا کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہیں۔ وہ عادل ہے، وہ رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے، تواب ہے، منعم ہے۔ اسلام میں عدل اور احسان و عفو کو بڑی اہم اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

میں اس کتاب میں بتاؤں گا کہ :

۱ : قرآنِ کریم میں عدل و عفو کے بارے میں کیا وارد ہوا ہے ؟ مفسرین کے اقوال کیا ہیں ؟

۲ : احادیثِ نبویؐ سے عدل اور احسان و عفو کے بارے میں کیا معلوم ہوتا ہے ؟

۳ : اسلام کے مقننین یعنی فقہاء نے اپنے اجتہاد، اپنی "رائے" اور اپنے فتاوے میں عدل اور احسان و عفو کو کیا حیثیت دی ہے ؟

لیکن صرف نظریہ کوئی چیز نہیں، جب تک عمل سے ہم آہنگ نہ ہو، قرآن، حدیث اور فقہ سے استشہاد و استنباط کے بعد میں بتاؤں گا :

۱ : قرآنِ ناطق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ گرامی میں عدل اور احسان و عفو کس مقام پر نظر آتے ہیں !

۲ : خلفائے راشدین کے عہدِ بابرکت میں ان الفاظ کے معنی کس طرح عمل میں لائے گئے ؟

۳ : خلافتِ راشدہ کے بعد جب خلافت درحقیقت سلطنت اور ملوکیت بن گئی تھی، یہ الفاظ عملی جامہ کس طرح پہنتے رہے ؟

۴ : ملوک و سلاطینِ اسلام تک نے اپنی مطلق العنانی کے باوجود کہاں تک عدل و احسان و عفو کو اپنایا ؟

یہ لمبی بحث ہے، اس پر ایک بسیط تصنیف تیار ہو سکتی ہے، لیکن میں ممکن حد تک اجمال اور اختصار سے کام لوں گا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے اسلام میں عدل اور احسان و عفو کے تصور پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے، اس کے بعد ہی انشراحِ قلب کے ساتھ کتاب کے مباحث کو پرکھا جا سکتا ہے، اور اندازہ

کیا جاسکتا ہے کہ اس باب میں اسلام کے صحیح تعلیمات و ہدایات کیا ہیں ! ؟

مقدمہ

اسلام میں عدل اور احسان وعفو کا تصوّر

عدل اور عفو انسانی زندگی کے دو اہم اور بنیادی عنصر ہیں۔ زندگی کے ہر مرحلے میں، ہر موڑ پر، ہر کیفیت میں ہمیں ان سے دوچار ہونا پڑتا ہے، صبح سو کر اٹھنے سے لے کر رات کو سوتے وقت تک قدم قدم پر ہمیں عدل اور عفو کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، یا ہمیں دوسروں کے ساتھ عدل وعفو کا برتاؤ کرنا پڑتا ہے یا دوسروں سے ہم اس برتاؤ کی آس لگاتے ہیں۔

معاملات میں، مسائل میں، بیع وشریٰ میں، بحث وگفتگو میں، دوسروں پر نکتہ چینی کرنے میں، دوسروں کے اوضاع واطوار پرکھنے میں، کاروباری معاملات کو سرانجام دینے میں، کوئی سودا کرنے میں، کوئی سودا فسخ کرنے میں، کسی کو ملازم رکھنے میں، کسی کو ملازمت سے الگ کرنے میں، کسی کو گواہ بنانے میں یا خود گواہ کی حیثیت سے پیش ہونے میں، کھانے میں، پینے میں، روپیہ خرچ کرنے میں، سامانِ زیب وزینت خریدنے میں، مدّعی ہونے میں، مدعا علیہ بننے میں، دوستی کرنے میں

اور دوستی کا رشتہ منقطع کرتے ہیں، کسی فقیر کو دو پیسے دیتے ہیں اور کسی فقیر کو نظر انداز کر دیتے ہیں، ماتحت اور زیر دست سے گفتگو کرتے ہیں، آقا، حاکم اور بالا دست کے سامنے اظہارِ خیال کرتے ہیں، کسی کو پڑوسی بناتے ہیں، کسی کا ہمسایہ بنتے ہیں، جانوروں سے کام لیتے ہیں، پرندوں کے پالتے ہیں، قرض لیتے ہیں اور قرض دیتے ہیں، معاہدہ کرتے ہیں، معاہدہ توڑتے ہیں، مہمان بنتے ہیں، میزبان بنتے ہیں، غرض ہر گام پر عدل و عفو کی ضرورت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، کبھی اپنے لئے کبھی دوسروں کے لئے۔

اللہ کی بنائی ہوئی ساری چیزیں عدل، اعتدال اور تعدیل پر قائم ہیں زمین کی گردش ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے کے لئے بھی اگر راہِ عدل سے ہٹے تو کرۂ ارض تباہ و برباد ہو کر رہ جائے شمس و قمر اور نجوم و کواکب جس نظام کے تابع ہیں اس سے ذرا منحرف ہوں، تو یہ نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے، بارش اپنے وقت پر ہوتی ہے، دانہ اپنے وقت پر بویا جاتا ہے فصل اپنے وقت پر اگتی ہے گویا یہ سارے کام نظامِ عدل پر مبنی ہیں اور یہ نظام اتنا محکم ہے کہ اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آ سکتا۔

جان دار مخلوقات میں انسان کے سوا ہر ذی حیات سختی سے نظامِ عدل پر استوار ہے، ہاتھی جیسے عظیم الجثہ جانور سے لے کر چیونٹی جیسا ذرۂ بے مقدار تک راہِ اعتدال پر گامزن ہے، وہ پانی اسی وقت پئے گا جب پیاس لگے گی، غذا پر تب ہی توجہ کرے گا جب بھوک ستائے گی۔ لیکن انسان بغیر بھوک کے کھاتا ہے، بغیر پیاس کے پیتا ہے۔

شام ہوئی اور چہچہاتی ہوئی چڑیاں اپنے گھونسلوں میں بسیرا لینے پہنچیں۔ صبح کا تڑکا ہوا یہ اپنے نشیمن سے باہر آئیں اور تلاشِ رزق میں نکل کھڑی ہوئیں لیکن

انسان آرام کے وقت کام اور کام کے وقت آرام کرتا ہے۔ یہ اپنا رزق کماتا بھی ہے چھینتا بھی ہے لوٹتا بھی ہے۔

مچھلی خشکی پر مشقِ خرام نہیں کرے گی، اونٹ قعرِ دریا میں چھلانگیں نہیں لگائے گا۔ لیکن انسان ہوا میں اُڑتا ہے، پانی میں تیرتا ہے اور قعرِ دریا میں غوطے لگاتا ہے۔ ہاتھی گوشت نہیں کھا سکتا، شیر سبزیوں پر منہ نہیں ڈال سکتا، چیونٹی نمک نہیں پھانکے گی۔ گھوڑا مرچ سے شوق نہیں کرے گا، شاہین شکر پر چونچ نہیں مارے گا، لیکن انسان فطری غذاؤں کے مقابلے میں خودساختہ اور خانہ ساز مگر غیر فطری اغذیہ پر جان دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ اس کی زندگی معتدل ہے نہ موت طبعی۔ اس کے برعکس دوسرے ذی حیات اسی راستے پر جو فطرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے، نہایت سلامت روی یعنی عدل کے ساتھ گامزن ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے عفو کا سوال خارج از بحث ہے جس سے غلطی نہ ہو اُسے معافی کس بات پر ملے گی؟

انسان کو خدا نے "کرامت" یعنی بزرگی عطا کی ہے (ولقد کرمنا بنی آدم) عقل دی ہے۔ (افلا یعقلون) قوتِ مدرکہ دی ہے (افلا یتدبرون) تمیز کی صلاحیت عطا کی ہے چشمِ بینا، گوشِ شنوا اور فکرِ فلک رس بخشی ہے۔ (قد تبین الرشد من الغی) ساری کائنات اس کے لئے مسخر کر دی ہے (وسخر لکم السماوات والارض) راہِ راست پر چلنے کے لئے ہادی، نبی اور رسول بھیجے ہیں ولکل امۃ ھاد لیکن ان تمام نعمتوں کے باوجود یہ عدل کے راستے سے گریزاں رہتا ہے (ان الانسان لربہ لکنود) لہٰذا اس کے ساتھ اگر عدل کا برتاؤ کیا جاتا تو یہ ہلاک ہو جاتا۔ (ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلم ما ترک علیٰ ظہرھا من دابۃ۔) پس اسے ایک اور نعمت سے نوازا گیا اور وہ ہے فضل، احسان، انعام اور عفو و صفح۔

اللہ تعالیٰ اپنے صفات کا جلوہ اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے، اسی لئے

اس نے عدل کا حکم بھی دیا ہے اور عفو کا بھی، اور دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ گویا احسان (عفو) بھی عدل کا ہم پایہ ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان — بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان (عفو) کا حکم دیتا ہے۔

جنت اور جہنم کا تصور ایک حدیث کے مطابق درحقیقت عدل اور عفو کا تصور ہے۔ جہنم عدل کے سوا اور کیا ہے؟ جنت فضل و عفو نہیں تو اور کیا ہے؟

عدل اپنی معنویت کے اعتبار سے بہت وسیع لفظ ہے، اس کا تعلق ایک دوسرے سے بھی ہے اور خود اپنے حالات و کیفیات سے بھی، اسلام نے عدل کا حکم جو دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ بھی انصاف کرو اور اپنے ساتھ بھی، اور ان نعمتوں کے ساتھ بھی جو خدا نے تمہیں عطا کی ہیں۔

عدل، انصاف ہے۔ اور عفو، احسان، انسان کی زندگی میں دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قانونی عدل کا تعلق معاشرہ، سوسائٹی، جماعت اور زیادہ جامع الفاظ میں حکومت سے ہے، وہی برابری (عدل) قائم رکھ سکتی ہے۔ کوئی شخص قانون ہاتھ میں لینے کا مجاز نہیں۔ قانون کے مطابق برابری (عدل) کا فیصلہ کرنا صرف حکومت کا کام ہے۔

ایک راہ چلتا آدمی اگر کسی قاتل کو پکڑ لے تو وہ اسے قانون کے حوالے تو کر سکتا ہے لیکن قتل نہیں کر سکتا۔ اگر قتل کرے گا سزا پائے گا۔ لیکن ذاتی اور صفاتی عدل پر ہر شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے بیوی کے ساتھ، اولاد کے ساتھ، عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ، ماتحتوں اور زیردستوں کے ساتھ ہر کوئی بطور خود "عدل"

کرسکتا ہے۔ اور قرآن حکم دیتا ہے کہ اسے ایسا کرنا چاہیئے۔ (تفصیل اگلے ابواب میں آئے گی)۔

البتہ ایک موقع ایسا آتا ہے کہ عفو عدل کے ایوان میں بار نہیں پاسکتا مجرم جب عدالت کے کٹہرے میں پہنچ جائے تو اب نہ رحمت ورافت کا سوال ہے نہ عفو ودرگزر کا، اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوکر رہے گا۔ اب جس نے جو بویا ہے وہی کاٹے گا۔ کیونکہ اگر عدالت کا ایوان عفو کدہ بن جائے تو نہ نظمِ مملکت قائم رہ سکتا ہے نہ امن وامان! پھر انارکی پیدا ہوجائے گی۔ اور معاشرہ نہ ختم ہونے والے مصائب میں مبتلا ہوجائے گا۔ چنانچہ متعدد آیات میں تاکید اور ہدایت کی گئی ہے کہ "عدل" کرتے وقت رافت، رحمت، مروت اور عفو ومرحمت کے جذبات پیدا نہیں ہونے چاہئیں۔

(لا تاخذ کم بہما رافۃ فی دین اللہ ان ان کنتم تومنون)

لیکن عدل کے برعکس عفو واحسان کوئی قانونی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا تعلق حکومت سے کم اور انسانی ضمیر سے زیادہ ہے، میں اپنے مقروض کو معاف کر دوں، یہ احسان ہے، میں اپنے خطا کار ملازم کو اس کی غلطی پر بخش دوں، یہ عفو ہے، اس میں حکومت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

بعض مرحلے ایسے بھی آتے ہیں جب عدل اور عفو میں ٹکر ہوتی ہے۔ اور آخر کار جیت عفو ہی کی ہوتی ہے۔

چوری کی سزا کیا ہے قطع ید! لیکن ایک مرتبہ جب قحط پڑا تو حضرت عمر نے اس حکم پر عمل درآمد ملتوی کر دیا۔ کیونکہ مصالح عمومی و اجتماعی کا تقاضا یہی تھا۔ حکومت کا عفو و احسان تمام تر مصالح عمومی و اجتماعی کا تابع ہوتا ہے لیکن افراد و اشخاص کا عفو و احسان صرف ذاتی صوابدید پر مبنی ہوتا ہے۔

اسلام نے عدل و عفو کے معاملے میں حدود مقرر کر دیئے ہیں اور عام طور پر ان حدود سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں پر معاملہ صرف فرد اور ذات کا ہو وہاں انسان خواہ عدل کرے یا عفو اسے پورا اختیار حاصل ہے لیکن جہاں عمومی اور اجتماعی مفاد کا سوال درپیش ہو وہاں انسان صرف عدل کر سکتا ہے، عفو سے کام نہیں لے سکتا۔ میں حاکم کی مسند پر بیٹھا ہوں، چوری کا ایک ملزم میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جرم ثابت ہے، اب میں عفو سے کام نہیں لے سکتا، مجھے سزا دینی ہی پڑے گی۔ لیکن ایک شخص کو میں نے اپنے گھر میں چوری کرتے پکڑ لیا، مجھے حق ہے کہ میں اسے عدل کے حوالے کر دوں لیکن مجھے یہ حق بھی ہے کہ اُسے معاف کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چوری کا ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک شخص چادر اوڑھے سو رہا تھا، ایک آدمی نے چپکے سے وہ اتار لی۔ پکڑا گیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے وہی حکم دیا جو "عدل" کا تقاضا تھا۔ مستغیث نے کہا، یا رسول اللہ تیس درہم کی ایک چادر کے لیے ایک آدمی کو مقطوع الید کر دینا میں پسند نہیں کرتا، اچھا یہ چادر میں نے اس کے ہاتھ ادھار فروخت کر دی۔

یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: "پھر میرے پاس (مجرم کو) لانے سے پہلے ہی یہ کیوں نہیں کر لیا تھا؟"

عدل و عفو پر ہم الگ الگ گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ خود خدائے بزرگ و برتر نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا ہے، بلکہ اکثر و بیشتر دونوں

کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے، گویا عدل کا مفہوم اسی وقت پیش نظر رہ سکتا ہے جب عفو بھی پیش نظر رہے، اور عفو پر صحیح طور سے اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب عدل نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اگر ہم نے صرف عدل کو پیش نظر رکھا تو عفو کبھی نہیں کر پائیں گے۔ اگر صرف عفو کو اپنا شعار قرار دیا تو عدل کو چھوڑ بیٹھیں گے اور اس طرح بہت سے جانے اور ان جانے مفاسد کا سبب بن جائیں گے۔ پس ضروری ہے کہ عدل بھی کریں اور عفو سے بھی کام لیں لیکن عدل کرتے وقت عفو کو نہ بھولیں اور عفو سے کام لیتے وقت عدل کو نظر انداز نہ کریں۔ صرف اسی طرح ہم ایک صحیح معاشرہ پیدا کر سکتے ہیں۔ صرف اسی طرح ہم ایک صحیح معاشرہ کے فعال اور کارگزار رکن بن سکتے ہیں۔

عہد شکنی سے بڑھ کر ناانصافی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس سے روکتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر۔۔۔۔۔

نیکی اور پاکیزگی یہی نہیں ہے کہ (برقت عبادت) تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ یہ ہے کہ۔۔۔۔

اور اس کے بعد وہ فضائل محمودہ بیان کئے ہیں جو انسان کو نیک اور پاکیزہ بنا دیتے ہیں، اور اسی ذیل میں ارشاد ہوتا ہے:

والموفون بعھدھم اذا عاھدوا

اور یہ (نیک لوگ وہ ہیں) جو وعدہ کر لیتے ہیں تو اس کا ایفا کرتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایفائے عہد کی تاکید صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں۔

ایک آدمی اگر فضول خرچ ہے تو بھی اور بخیل ہے تو بھی راہِ عدل سے ہٹا ہوا

ہے اور خدا اُسے پسند نہیں کرتا چنانچہ سورۂ فرقان میں عباد الرحمٰن کے جو خصائص ارشاد ہوئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما — اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں، نہ اسراف سے کام لیتے ہیں نہ تنگی سے ان دونوں کے بیچ میں سے گزرتے ہیں۔

مسلح اور حملہ آور دشمن سے بڑھ کر کشتنی اور گردن زدنی کون ہو سکتا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ اور انسانیت نواز زمانے میں بھی جب جنگ چھڑتی ہے تو دشمن کے ساتھ عدل کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کا فیصلہ سورۂ شوریٰ میں یہ ہے:

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون — اور یہ اہلِ ایمان، جب ان پر دشمن کی چڑھائی ہو تو بدلا لیتے ہیں۔

گویا بدلہ لینا عدل ہے۔

پھر ساتھ ساتھ ارشاد فرما دیا بلکہ تنبیہہ کر دی کہ:

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا — اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے۔

یعنی اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو۔ لیکن اس کا لحاظ رہے، جس حد تک ظلم ہوا ہے اس سے زیادہ کے تم مجاز نہیں ہو، جس نے تمھاری انگلی کاٹی ہے تم اس کی گردن نہیں کاٹ سکتے۔

یہ تو تھا عدل کا تقاضا، لیکن ایک بات اور بھی تو ہو سکتی ہے، اسے معاف کر دو۔ تمھاری عالی ہمتی ایسا بھی تو کر سکتی ہے؟ پھر ایسا کیوں نہ کرو؟ چنانچہ بغیر کسی فصل کے معاً ارشاد ہوتا ہے:

فمن عفا واصلح فاجرہٗ علی اللّٰہ — لیکن جو معاف کر دے اور بھلائی کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

ذرا ان ارشادات کی معنویت پر غور کیجئے:

تم اگر اپنے قانونی اور اصولی حق سے دستبردار ہوتے ہو اور معاف کر دیتے ہو تو صرف یہی نہیں کہ جس کو تم نے معاف کیا ہے وہ تمھارا ممنون ہوگا، اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، یعنی یہ اتنا بڑا کام تم نے انجام دیا ہے کہ اس کا خاص اور جداگانہ اجر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عطا ہوگا، پھر کون ایسا شخص ہوگا جو بارگاہِ الٰہی کے اجر پر بدلہ لینے کو ترجیح دے۔

لیکن اگر کوئی ترجیح دیتا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، جہاں اس کی اجازت دی ہے فوراً ہی ارشاد فرما دیا ہے۔

انہ لا یحب الظالمین — بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے خوشنود نہیں ہوتا۔

یعنی ایک مرتبہ پھر تاکید فرما دی کہ بدلہ لیتے وقت حد سے تجاوز نہ کرنا، ایسا کرو گے تو ظالم ٹھہرائے جاؤ گے۔ اور ظالم خدا کی خوشنودی کا مستحق کبھی اور کسی حالت میں نہیں ہو سکتا۔

یہ سب کچھ ارشاد فرمانے کے بعد ایک دفعہ پھر اسی موقع پر اور یہیں یہ بات صاف کر دی کہ جو مظلوم ہو وہ بدلہ لینے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل — اگر کوئی مظلوم ہونے کی صورت میں بدلہ لیتا ہے تو سزاوارِ ملامت نہیں۔

بلکہ یہ بھی فرما دیا کہ اصل مجرم تو وہ ہیں جو ظلم کرتے ہیں۔

انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق — سزاوارِ ملامت تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر (خواہ مخواہ) ظلم کرتے ہیں اور زمین پر بغیر کسی سبب کے فساد مچاتے ہیں۔

اور ان لوگوں کا حشر کیا ہوگا۔ آگے چل کر یہ بھی بتا دیا:

اولٰئک لہم عذاب الیم — ایسے لوگوں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

لیکن جو لوگ ظلم کرتے ہیں، فتنہ و فساد کے خوگر ہیں، بغیر کسی سبب کے لوگوں کو ہدف ستم بناتے ہیں اور خدا کی زمین پر فتنہ و فساد کرتے ہیں گو ان کے لئے عذابِ الیم تیار ہے لیکن

ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور — (ایسے ظالم، بدخواہ اور فسادی لوگوں کے ظلم و فساد کو) جو شخص سہہ لے اور معاف کر دے تو بلاشبہ یہ عزم امور ہے۔

عزم امور یعنی اولوالعزمی

پھر ایک مرتبہ غور کر لیجئے، ایسے بدسرشت اور بدنہاد ظالموں اور فسادیوں کو معاف کر دینے پر پہلے تو یہ فرمایا گیا کہ "اس کا اجر خدا کے ذمّے ہے!" اور اسے یہ فرمانے کے بعد کہ گو یہ ظالم اور فسادی عذابِ الیم سے نہیں بچ سکتے، لیکن مظلوم سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر پھر بھی سہہ لو اور معاف کر دو، تو یہ عزم امور ہے!"

وہ کیسے لوگ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے خدائے "جبّار و ذوانتقام و قہار" کو تو دیکھ لیا لیکن ان کے خدائے رحمٰن و رحیم کو نہیں دیکھتے —— یہی ہیں وہ لوگ جو آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں۔

سورہ آل عمران میں عفو و رحمت کی ترغیب و تحریص دوسرے انداز میں ملتی ہے، بتایا گیا ہے کہ خدا نے اپنے ان متقی بندوں کے لئے جنّت تیار کی ہے جو خوشی کے موقع پر اور دکھ کے موقع پر راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس — اور جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو ان

کی غلطی پر معاف کر دیتے ہیں

اور فوراً ہی ارشاد فرماتا ہے :

ان اللہ یحب المحسنین — اور اللہ احسان کرنے والوں سے خوشنود رہتا ہے ۔

یعنی غصہ پی جانے اور معاف کر دینے پر صرف جنّت کی نوید ہی نہیں ہے خوشنودیٔ رب کی بشارت بھی موجود ہے ۔

اسی طرح سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے :

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم فھو خیر للصابرین — اور اگر سزا دو تو اتنی ہی جتنی تمھیں بھگتنا پڑی تھی ۔ اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے موجب خیر ہے ۔

غرض کم و بیش ہر جگہ عدل کی اجازت کے ساتھ ساتھ عفو کی ترغیب اور اس پر طرح طرح کے انعامات و احسانات الٰہی کی بشارت موجود ہے ۔

صاحب ایمان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے سورۂ شوریٰ میں ایک مقام پر ارشاد ہوا :

واذا ما غضبوا ھم یغفرون — انھیں غصہ ہو تو بھی معاف کر دیتے ہیں

سورۂ نور میں عفو و صفح اور برداشت و درگزر کی ترغیب بڑے نفسیاتی طور پر دی گئی ہے ۔ فرمایا ہے :

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ؟ — (ایمان والے) لوگوں کو چاہیئے کہ معاف کریں ، اور درگزر سے کام لیں ، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں (تمھاری خطائیں اور لغزشیں) معاف کرے ؟

کیا اس سے بڑھ کر بھی عفو و درگزر اور صبر و برداشت کی کوئی تعلیم ہو سکتی ہے ڈھکے چھپے لفظوں میں نہیں، صاف اور واضح الفاظ میں فرمادیا کہ اگر تم دوسروں کی خطائیں معاف کردو گے، دوسروں کی زیادتیوں پر صبر کرو گے، دوسروں کی لغزشوں پر درگزر سے کام لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا۔ تمہاری خطائیں معاف کرے گا، تمہاری لغزشوں سے درگزر کرے گا، تمہاری کوتاہیوں کو نظرانداز کر دے گا۔

اور صرف یہی بشارت دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فرمایا:

واللہ غفور الرحیم	اور اللہ کی ذات تو بہت بخشنے والی اور بے حد رحم کرنے والی ہے۔

یعنی تم دوسروں کے ساتھ عفو و درگزر کا جو برتاؤ کرو گے، وہ بہرحال عفوِ الٰہی کے مقابلے میں ہیچ ہی ہوگا۔ پھر کیا یہ بدقسمتی کی بات نہ ہوگی کہ کم تر دے کر بے حد و بے حساب لینے سے انکار کر دو۔

خدا کی نگاہ میں شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں، ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے مگر شرک نہیں معاف ہو سکتا۔ کیونکہ ایک مشرک شرک کا ارتکاب کر کے درحقیقت جبروتِ الٰہی کو چیلنج کرتا ہے۔ بیشک خدا مشرکوں کو سزا دے گا لیکن ہمیں اجازت نہیں کہ ہم شرک کے جرم میں مشرکوں کو سزا دینا تو بڑی بات ہے، ان کے باطل اور خودساختہ معبودوں تک کو برے الفاظ سے یاد کریں۔

سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

الاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ ؕ	اور جن (معبودانِ باطل) کو یہ (مشرک لوگ) خدا کے ماسوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو۔

ایک مسلمان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ گرامی ہی اسوہ اور نمونہ ہوسکتی ہے صبر و ضبط، عفو و درگزر اور تحمل و بردباشت کی یہ تعلیم صرف مسلمانوں ہی کو نہیں ہے۔ ان کی مخاطب وہ ہستی بھی ہے جس کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ اسلام پھیلے اور کفر و شرک نابود ہو، جسے تبلیغِ اسلام کے جرم میں کافروں اور مشرکوں نے کیسی کیسی لرزہ خیز اور روح فرسا اذیتیں نہ دیں، بالآخر ان کی چیرہ دستیوں اور بدنہادیوں کے باعث اُسے ہجرت تک کرنی پڑی لیکن بارگاہِ الٰہی سے اُسے حکم ہوتا ہے:

(سورۂ اعراف)

خذ العفو وامر بالعرف — (اے محمدؐ) عفو و درگزر کو اختیار کر۔ اور بھلی باتوں کی طرف بلاتا رہ۔

یعنی تجھے اپنے کام سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ گو ان بدسرشت لوگوں کی ستم رانیوں اور سفاکیوں سے تجھے دوچار ہوتا پڑے۔ پھر بھی اپنی سرشت عفو و درگزر کی رکھ۔

اور نبی کریمؐ کو صرف یہی نہیں کہا جاتا کہ وہ خود معاف کرنے کی خو ڈالیں عفو و درگزر کو اپنا شعار بنائیں، خطا بخشی سے کام لیں۔ بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ:

(سورۂ جاثیہ)

قل للذین اٰمنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ — اے محمدؐ ان لوگوں سے جو ایمان والے ہیں کہہ دیجیئے کہ جو لوگ "ایام اللہ" پر یقین نہیں رکھتے، انھیں معاف کردیں

ایام اللہ یعنی روزِ خداوندی، اور جو لوگ روزِ خداوندی یعنی روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتے وہ کون ہیں؟

ظاہر ہے ایمان والے تو نہیں ہوسکتے۔ پس ضروری ہے کہ وہ کافر اور مشرک

ہوں تو ان کافروں اور مشرکوں کے لئے، نبیؐ کے توسط سے ایمان والوں کو حکم دیا جاتا ہے، اُن لوگوں کو جو روزِ قیامت پر ایمان "نہیں رکھتے معاف کر دیں، ان سے درگزر کریں۔

پھر ایک موقع پر تو اس عفو و درگزر کا دامن، اور زیادہ، بہت زیادہ وسیع کر دیا ہے یہ کافر اور مشرک ہر طرح سے مسلمانوں کو اور داعیٔ اسلامؐ کو پریشان کرتے تھے۔ جھوٹ بولتے تھے، جھوٹے دعوے کرتے تھے، معاہدے کرتے تھے اور توڑ دیتے تھے دھوکا دیتے تھے، فریب کاری سے کام لیتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ بھی عفو و درگزر کا سلوک کرو۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلاً منھم فاعف منھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین ○	اور ہمیشہ تو ان کی خیانت کاریوں پہ مطلع ہوتا رہتا ہے بجز چند کے، لیکن تو ان کے ساتھ عفو سے کام لے۔ انھیں درگزر کر۔ اللہ بھلائی کرنے والوں سے خوشنود ہوتا ہے

گویا ایسے اشرار سے بھی "بھلائی" (احسان) کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

کیا دُنیا کا کوئی مذہب اسلام کے درگزر اور عفو کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

کافروں اور مشرکوں کا معمول یہ تھا کہ وہ حسب مصلحت معاہدے کرتے تھے اور حسب ضرورت انھیں توڑ دیتے تھے، لیکن خدا نے اپنے نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ عہد شکنی ہرگز نہ کریں۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احداً فاتموا الیھم عھدھم	جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا اور انھوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہ کی اور نہ تمھارے خلاف (خلاف معاہدہ) کسی کی مدد کی تو ان سے

الی مدتهم ان اللہ یحب المتقین — باندھا ہوا عہد، وقت مقررہ تک پورا کرو بلاشبہہ اللہ "متقی" لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

گویا مشرکوں کے ساتھ معاہدہ کی تمام شرائط بجالانا، اور اپنی کسی سخت سے سخت مصلحت اور ضرورت کے باوجود بھی اس معاہدہ کو نہ توڑنا اور اس پر قائم رہنا "تقویٰ" ہے۔ اور یہ تاکید صرف اس وقت نہیں جب صلح و امن کی کیفیت قائم ہو، اس وقت کے لئے بھی ہے جب جنگ کے ہتھیاروں کی جھنکار فضا میں گونج رہی ہو۔

اسی سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذالک بانہم قوم لا یعلمون○ — (زمانۂ جنگ میں) اگر کوئی مشرک آپؐ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے، پھر اس کو اس کی جائے امن تک واپس پہنچا دیجئے (جہاں سے وہ آیا تھا) یہ اس لئے کرنا کہ یہ لوگ ہیں (کہ حق سن کر بھی اس پر ایمان نہیں لاتے)

غور کرو، یہ حکم نہیں ہے کہ اسے غلام بنالو، یہ حکم نہیں ہے کہ اسے قید کرلو، یہ حکم نہیں کہ اسے لوٹ لو، یہ حکم نہیں کہ اُسے قتل کردو حکم ہے تو یہ کہ:

- اسے پناہ دو۔
- کلام الٰہی سُنا کر فریضۂ تبلیغ ادا کرو۔
- اگر ایمان نہیں لاتا تو اس کی جائے امن پر واپس پہنچا دو۔

کیا اس سے بڑا بھی کوئی احسان ہو سکتا ہے؟ کہ ہاتھ آیا ہوا دشمن یوں صاف چھوڑ دیا جائے؟

بے شک اسلام جنگ کی اجازت بھی دیتا ہے، اور جنگ کے میدان میں معانقہ اور مصافحہ کرنے کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ تلوار چلانے، گردن کاٹنے اور گردن کٹانے کا حکم دیتا ہے لیکن کب ؟ :

جب پہل دشمن کی طرف سے ہو، عہد شکنی کا آغاز اسی کی جانب سے ہو، زیادتی، ظلم اور شقاوت کے مظاہرے اسی کی طرف سے ہونے لگیں۔ کیونکہ جنگ کا میدان جنگ کا میدان ہے، یہاں جنگ ہی ہوگی۔ یہاں "آستین میں دشنہ پنہاں" رکھنے والوں اور "ہاتھ میں خنجر کھلا" لے کر آنے والوں کو اسی زبان میں جواب دیا جائے گا جس کے وہ متمنی ہیں لیکن یہاں بھی ہر ہر مرحلے پر عدل اور اعتدال کے ہدایات موجود ملتے ہیں، دشمن پر زیادتی کبھی اور کسی حال میں اسلام روا نہیں رکھ سکتا۔

مُلاحظات

۱ : اس کتاب میں جو آیاتِ قرآنی درج کی گئی ہیں ہر باب کے اختتام پر سورۃ کے نام اور آیت کے نمبر کے ساتھ ترتیب وار درج کی گئی ہیں ۔ عام طور پر مطبوعہ قرآنوں کے نمبروں میں دو چار نمبر آگے پیچھے ہو جاتے ہیں ۔ میں نے میسرز غلام علی اینڈ سنز کی شائع کردہ حمائل سامنے رکھی ہے ۔

۲ : اسی طرح احادیث کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے ، عام طور پر حادیثیں بخاری سے لی ہیں لیکن اگر کسی اور کتاب سے لی ہیں تو اختتام باب پر حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے ۔

۳ : اس کتاب کی ترتیب و تدوین اور تصنیف میں جن دوسری فقہی ، تفسیری سوانحی اور تاریخی کتابوں سے مدد لی ہے ہر باب کے اختتام پر اس کا حوالہ بھی دے دیا ہے ۔

۴ : آیات کے مفہوم کی وضاحت میں علی العموم کتبِ تفسیر سے میں نے استمداد نہیں کی ہے کیونکہ جو آیات میں نے پیش کی ہیں وہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے اتنی واضح اور بیّن ہیں کہ خواہ مخواہ تفسیر کے حوالے دے کر کتاب کو ضخیم بنانا تھا ۔ البتہ اگر کہیں ضرورت پیش آگئی ہے تو تفسیری مواد سے مدد لینے میں تأمل بھی نہیں کیا ہے ۔

رئیس احمد جعفری

رفیق ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۔ لاہور

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

(بلاشبہ اللہ تمھیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے)

اللہ

عدل کرتا ہے احسان کرتا ہے عفو سے کام لیتا ہے

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے آغاز سورۃ میں لازمی طور پر ہم کہتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

آغاز کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا اور بڑا ہی مہربان ہے،

قرآن کا افتتاح سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے ۔ اسی لئے اسے سورۂ فاتحہ "یا فاتحۃ الکتاب" کہتے ہیں ۔ سورۂ فاتحہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے :

الحمد للہ رب العالمین — ساری تعریف اسی اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں

الرحمٰن الرحیم — کا رب ہے ۔ جو نہایت رحم والا اور بڑا ہی مہربان ہے

رب : پالن ہار کو کہتے ہیں جو تمام تر شفقت و رافت کا ترجمان ہے ۔

رحمٰن : مبالغہ کا صیغہ ہے ، یعنی زیادہ سے زیادہ رحم کرنے والا ، رحم درحقیقت صفتِ مادری ہے ، یعنی اندھا دھند محبت ، ماتا ۔

رحیم : یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے ، اس کا مطلب ہے زیادہ سے زیادہ مہربان ۔ اس کے مفہوم میں شفقتِ پدری شامل ہے ، یعنی زیادہ سے زیادہ مہربانی کے ساتھ حسبِ ضرورت چشم نمائی بھی ۔

اسماءِ حسنیٰ

اسلام کا خدا رحم وعدل کے سوا کچھ نہیں ہے، وہ ظالموں کو عذاب کی بشارت دیتا اور مظلوموں کی دل دہی کرتا ہے، وہ سرکشوں کو للکارتا ہے، مگر ناچاروں اور آشفتہ حالوں کو نوازتا ہے۔ چونکہ وہ خود ظلم نہیں کرتا لہٰذا ظلم کو پسند بھی نہیں کرتا، نہ اپنی خدائی میں انھیں پنپنے اور سر اٹھانے کا موقع دیتا ہے۔ وہ ستم رسیدہ لوگوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اُن کی پکار سُنتا ہے، انھیں رحمتِ بے کراں سے متمتع ہونے کی بشارت دیتا ہے۔

خدائے اسلام کا قانونِ عدل واحسان زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اس قانون کی پہنچ نہ ہو۔ یہ قانون اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ خود اپنی ذاتِ کبریائی کو بھی اس نے مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ نبی آخر الزماں یعنی فخر موجودات سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام تک کو بار بار جلال کبریائی کا اظہار کر کے، کہیں رحمتِ بے ہمتا کی نوید دے کر اس قانون کا پابند کیا ہے۔ اس قانون کی رسائی ہر جگہ اور ہر کہیں ہے ایوانِ شہر یاری میں بھی اور فقیر کے کنج عافیت میں بھی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد اپنی عقل و دانش اور اعضاء جوارح سے کام لینے کا موقع ملتے ہی اپنی مرضی اور ارادہ سے انسان جب کام کرنا شروع کرتا ہے تو قدم قدم پر جس چیز کی اُسے ضرورت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ راہِ عدل واعتدال سے نہ ہٹے ظلم و تعدّی کا ارتکاب نہ کرے، نہ اپنی ذات کے ساتھ نہ اپنے متعلقین کے ساتھ نہ ماتحتوں کے ساتھ نہ اپنے افسروں اور بالادستوں کے ساتھ نہ ماں باپ کے ساتھ نہ پڑوسیوں کے ساتھ نہ بیوی کی حیثیت سے شوہر کے ساتھ نہ شوہر کی حیثیت سے بیوی کے ساتھ نہ آقا کی حیثیت سے نہ خادم

کی حیثیت سے ۔

غور کیجئے تو انسانی زندگی کی ہر ساعت نہیں ہر سانس یا عدل و احسان پر مبنی ہے یا ظلم و جور پر، خواہ وہ اپنے وجود کے ساتھ ہو یا دوسرے متعلقین کے ساتھ۔

خدا چونکہ خالقِ کائنات ہے، ربّ العالمین ہے، حاکمِ مطلق ہے۔ لہٰذا مخلوق کا تو ہر فرد کسی نہ کسی درجے میں کسی نہ کسی کے سامنے جواب دہ ہے، لیکن خدا سے نہ کوئی جواب طلب کر سکتا ہے نہ بازپرس کر سکتا ہے۔ نہ اس کے فیصلے کی اپیل ہے نہ اس کے اقدام و عمل کا کوئی مانع ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ ظلم بھی کرے تو مجالِ دم زدن نہیں۔

تو جو چاہے تو کرے خاک کو بھی بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے!

ہمیں نیکی کی جزا اور بدی کی سزا مل سکتی ہے، لیکن خدا مالک الملک ہے، نہ کوئی اس کا فیصلہ رد کر سکتا ہے نہ بات دکھل سکتا ہے۔

لیکن ان مطلق العنانہ اختیارات کے باوجود اس نے خود اپنی مرضی سے اپنے آپ کو قانونِ عدل و انصاف کا پابند کیا ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو ڈرایا کم ہے بشارتیں زیادہ دی ہے۔ اس نے اپنے منتقم، جبّار اور قہّار ہونے کا ذکر کم کیا ہے، اپنے رحمٰن، رحیم، غفور حلیم اور فتاح ہونے کا ذکر کثرت سے کیا ہے۔ بار بار کیا ہے۔ اور اس کا جبر و قہر اور انتقام بھی ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہے صرف اُن کے لئے ہے جو ظالم ہیں، حد سے گزر جانے والے ہیں، انسانوں کو ستاتے ہیں، قانونِ عدل کو توڑتے ہیں۔

اس باب میں جو کتاب کا پہلا باب ہے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خدا نے خود اپنی ذات کے بارے میں، یعنی اپنے عدل و احسان کے بارے میں بندوں کو کیا بتایا ہے؟ جب تک ہم یہ نہ جان لیں نہ خدا کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں نہ خدا کے بھیجے ہوئے آخری نظامِ حیات کو، نہ اسلام کو اور نہ اس کے قائم کئے ہوئے ضابطۂ نظامِ فکر و نظر اور اس کے مؤثرات و ثمرات کو،

اس لئے سب سے پہلے ہم اسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے ہمارا سب سے پہلا ماخذ خود کلامِ الٰہی یعنی قرآن ہے۔

کسی چیز کا نام اس چیز کی سب سے بہتر اور جامع و مانع تعریف ہے۔ گلاب کا نام لیتے ہی آپ کا مشامِ جان معطّر ہو جائے گا۔ کانٹے کا تصور ہی حساس طبائع کے لئے نشتر سے کم نہیں، جس کسی کو جس نام سے ہم پکارتے ہیں غیر شعوری اور غیر محسوس طور پر وہی صفات جو اس نام کے ساتھ وابستہ ہیں ہمارے ذہن و دماغ میں نقش ہو جاتے ہیں۔

دیکھنا چاہئے خود خدا نے اس موضوع پر اپنے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے پہلے اس نے ایک مجمل بات کہی:

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا ۝ (۱)

اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں تو تم اس کو ان ناموں سے پکارو۔

پھر ذرا مزید وضاحت فرمائی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (۲)

(اے نبی ؐ) کہہ دے کہ تم اللہ کو پکارو یا تم رحمٰن کو پکارو، جس کو بھی پکارو گے تو اسی کے نام اچھے ہیں۔

اور اس کے بعد کلّی اور مجموعی طور پر ایک بات ارشاد فرمادی یعنی:

لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (۳)

اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے جتنے نام بھی ہیں۔ اچھے ہیں حسین ہیں۔ زبان پر ان کے آتے ہی دہشت دُور ہو جاتی اور بشاشت پیدا ہو جاتی ہے۔ یاس کی تاریکی کافور ہو جاتی اور امید کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ ہمارا خدا اسماءِ حسنیٰ کا حامل ہے۔ وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، غفور ہے، توّاب ہے۔ ہم غلطی کریں گے وہ رحم

کرے گا، ہم سے خطا سرزد ہوگی وہ معاف کرے گا۔ ہم سے گناہ کا ارتکاب ہوگا وہ مغفرت سے کام لے گا۔ ہم عصیاں شعار ہیں وہ تواب ہے، ہمارا عرقِ ندامت توبہ بن جائے گا اور وہ اسے قبول کر لے گا۔

خدا سے رابطہ قائم ہونے کے بعد صرف اس کا نام زبان پہ آتے ہی اس کی ذات و صفات سے وابستگی کا یہ تصور کتنا امید افزا، کتنا خوش آئند اور کس درجہ اطمینان بخش ہے؟

خدا نہ ظلم کرتا ہے نہ ظالموں کو پسند کرتا ہے

اس احساس اور تصوّر کے ساتھ معاً ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسمائے حسنیٰ والے خدا کا برتاؤ اپنے بندوں کے ساتھ ظلم کا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ غلطی بھی کریں، گناہ بھی کریں، زیادتی بھی کریں، کم از کم یہ اطمینان تو انھیں نفسیاتی طور پر حاصل ہے کہ کسی درجے میں بھی ان کے ساتھ ظلم نہیں ہو سکتا۔ یا عدل ہوگا یا احسان، اور خدا خود بھی اس تصوّر اور تخیل کی تائید کرتا ہے۔ بے شمار آیاتِ قرآنی اس حقیقت کی شاہد ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ؕ — بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

یعنی کسی درجے میں بھی اور کسی قسم کا ظلم بھی، ذرّہ برابر بھی خدا اپنے بندوں پر نہیں روا رکھ سکتا۔ ایک دوسرے موقع پر پھر اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا ہے

وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ — اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اس آیۂ مبارکہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ خدا نے "عالمین" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی سارے جہانوں میں، عام اس سے کہ وہ لوگ مسلمان ہوں یا کافر، مومن ہوں یا مشرک جاندار ہوں یا بے جان بغیر کسی تفریق کے سب کو خدائی ظلم سے محفوظ رہنے کی بشارت دی ہے۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک اور موقع پر فرمایا ہے:

وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝ لـه — اور یہ کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

یہاں "عبید" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور عبید میں یعنی بندوں میں ساری مخلوقِ انسانی آگئی، بغیر تخصیصِ عقیدہ کے، دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ ظلم سے محفوظ رہنے کی بشارت مسلمانوں اور مومنوں کو نہیں دی جا رہی ہے۔ ہر عبد کو، یعنی ہر بندے کو دی جا رہی ہے۔ امن و اطمینان کا اس سے بڑھ کر چارٹر اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہو سکتا ہے پھر بھی شبہہ رہ جائے، پھر بھی چور دل میں باقی رہ جائے۔ کوئی گنہگار اور عصیاں شعار اپنے دل میں سوچے، دوسروں کی اور بات ہے، بھلا مجھ جیسا شخص جس کے گناہوں کی کوئی انتہا نہیں نہ صرف یہ کہ رحم کا مستحق نہیں بلکہ مجھ جیسے شخص کے لئے تو عدل بھی کافی نہیں۔ مجھے تو ضرور جرم کے مقابلے میں عام سزاؤں سے دُگنی تگنی، چوگنی، ہزار گنی سزا دی جائے گی اور میں مستحق بھی اسی کا ہوں۔ لیکن بارگاہِ ربوبیت سے اسے بھی تسکین دی جاتی ہے:

وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ۝ که — اور (اے نبی) تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

پھر مزید تسکین اور دلدہی کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

ذِکْرٰی ۛ وَمَا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝ ته — ہم نصیحت دیتے ہیں اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

اور سابقہ اعلان پھر دُہرایا جاتا ہے:

وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ له — اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اگر کسی کے دل میں کوئی شبہہ جڑ پکڑ لے، کوئی دہشت پیدا ہو جائے تو اس کے دُور کرنے کی نفسیاتی تدبیر یہ ہے کہ بار بار تسکین و تسلی کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ مسلسل دلدہی کے الفاظ کا اعادہ کیا جائے۔ ماہرینِ نفسیات کا دعویٰ ہے کہ اگر بار بار کوئی مریض اپنے آپ سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ دُہرائے:

میں اچھا ہوں۔

میں بیمار نہیں ہوں!

مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔

میں بالکل تندرست ہوں۔

تو اس تکرار و اعادہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اکثر و بیشتر حالات میں واقعی بیماری دُور ہو جاتی اور مریض بھلا چنگا ہو جاتا ہے۔ خدا بھی اپنے ظالم نہ ہونے کا بکرات و مرات کثرت تواتر اور تسلسل کے ساتھ اتنا ذکر کرتا ہے کہ یہ بات راسخ ہو جائے کہ کبھی اور کسی حالت میں وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جو کچھ فرمایا گیا تھا اس کا پھر اعادہ کیا گیا:

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۰﴾ اور (اے نبی) تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ان تمام یقین دہانیوں کے باوجود، اب وہ بات کہی گئی ہے جو صرف خدا ہی کہہ سکتا ہے یعنی جس طرح دُنیا کے عام ملوک و سلاطین، حکام و امرا، وزراء و اعیان جب چاہتے ہیں اپنی بات بدل دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں امان دے کر قتل کر دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں معافی دے کر گرفتار کر لیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں لطف و کرم کے وعدے کر کے ظلم و ستم پر آمادہ ہو جاتے ہیں، مالک الملک کے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں ایک بات جو طے پا گئی وہ پتھر کی لکیر ہے بلکہ پتھر کی لکیر بھی مدھم او محو ہو سکتی ہے لیکن خدا کی بات؟ خدا کی بات جہاں تھی وہیں ہی اس کے احکام نہیں بدلتے، اس کی سنت نہیں بدلتی۔ اس کے قانون نہیں بدلتے۔ اس کے الفاظ میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ ﴿۱۱﴾ میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

کیا اب بھی تمہارا اطمینان نہیں ہو گا؟

بندوں کے ساتھ خدا کا برتاؤ

جو خدا الا انتہا اقتدار و اختیار رکھتے ہوئے بھی اور اپنے اقتدار و اختیار میں غیر مسئول ہوتے ہوئے بھی نہ صرف یہ کہ ظلم نہیں کرتا بلکہ اپنے بندوں کی تسکینِ خاطر کے لئے ظلم نہ کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اور اس عہد کو مزید طمانیت و دل جمعی کے لئے بار بار دہراتا ہے وہ بھلا کسی اور کو ظلم کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے۔ ظالموں کا وجود کیونکر برداشت کر سکتا ہے، ظالموں کو کس طرح آزادیٔ کامل دے سکتا ہے؟

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

اور خود خدا نے کہا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ ؑ ؎ بیشک وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

یہ ایک عام بات تھی، ایک عام اصول تھا، ایک ہمہ گیر کلیہ تھا، لیکن صرف یہی کافی نہیں، بلکہ اس نے پہلے ظالموں کو ان الفاظ میں متنبہ کیا:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ؎ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہ بھی فرمادیا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اور اللہ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے ہر ایک کو جانتا ہے۔

اور اس کے بعد تختِ کبریائی پر بیٹھ کر فرمایا کہ جو لوگ ظالم اور ستم پیشہ ہیں، وہ میری رحمتِ عامہ کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ سو ظالم لوگوں کے لئے خدا کی رحمت سے دوری ہے۔

کیا ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لئے اس سے بڑی بات بھی کوئی کہی جا سکتی تھی؟

بظاہر نہیں ــــ لیکن خدا نے کہی ہے۔ بھلا جس پر خدا لعنت بھیجے دین و دنیا میں اس کا کہیں بھی ٹھکانہ ہے؟ اور خدا نے واشگاف الفاظ میں ظالموں کو ملعون قرار دیا ہے:۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

کیا اس کے بعد بھی ظالموں کے بچنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ کیا اس کے بعد بھی اپنی سیہ کاریوں کے نتائج سے وہ محفوظ رہ سکتے ہیں۔ کلّا ثم کلّا۔ اور خود اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے بھی یہ بات نہایت واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں فرمادی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اور ظالموں کو فلاح نہیں ہوتی۔

لیکن صرف فلاح یاب نہ ہونا گو ایک بہت بڑا المیہ ہے مگر ہو سکتا ہے ظلم کی کام جوئیاں شاید اسے برداشت کر لینے پر کسی کو آمادہ کر دیں مگر یہ آخری سہارا بھی خدا نے چھین لیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ ظلم کرنے والوں اور زیادتی کرنے والوں اور جور و ستم کو اپنا پیشہ بنانے والوں کے ساتھ نہ صرف کوئی رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ انہیں سخت سے سخت اور زیادہ سے زیادہ عبرت انگیز سزا دی جائے گی۔ ایسی سزا جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کا ذکر بھی لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے

بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

۱۸ه

جس کی قناتیں ان کو گھیر رہی ہونگی اور اگر فریاد کرینگے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائیگی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔ یہ پانی بہت بُرا ہے اور یہ ٹھکانا بھی بُرا ہے۔

جس طرح بار بار اس کا اعادہ فرمایا گیا تھا کہ ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے اسی طرح بار بار یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم ظالموں کو پسند نہیں کرتے۔ اور اسی طرح بکرات و مرات یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ظالموں کو معاف نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ معاف نہیں کرتے بلکہ انھیں سخت سے سخت سزا بھی دینے پر تُلے ہوئے ہیں

لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝

۱۹ه

ان کے لئے جہنم کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر بالاپوش اور ہم سرکشوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اس وعید اور ترہیب کو بھی کافی نہ سمجھ کر ارشاد فرمایا کہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ یہ ظالم اور ستم پیشہ لوگ جہنم میں بھیج دیئے جائیں اور وہاں انھیں طرح طرح کے عذاب دیئے جائیں، اس کے بعد بھی سزا اور عتاب و عذاب کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ایک معمولی مجرم اگر پکڑا جائے اور قانون و عدل کے مطابق سزا پائے تو سزا بھگتنے کے بعد اس کی گزشتہ غلط روی اور خطا کاری کا خود بخود کفارہ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ زانی تک کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ حد رجم جاری ہونے کے بعد وہ اتنا ہی پاک و صاف ہو جاتا ہے جتنا ایک نوزائیدہ بچہ۔ لیکن ظالم، ستم راں، جور پیشہ لوگ سزا کے بعد بھی اطمینان کا سانس نہیں لیں گے، کیونکہ ان کے عذاب کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوگا۔ یہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اَلَا اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ○ ؎ سُن لو ظلم کرنے والے ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔

انھیں نجات نہیں مل سکتی!
یہ ساحلِ عفو تک نہیں پہنچ سکتے!

ظالموں کو بھی خدا مہلت دیتا ہے

لیکن جہاں تک عدل اور احسان کا تعلق ہے ظالم بھی اس سے یکسر محروم نہیں ہیں ۔ بے شک انھیں سزا ملتی ہے اور وہ سزا ہمیشہ ہمیشہ قائم رہتی ہے مگر تلافیٔ مافات کا موقع دینے اور اتمامِ حجت کر لینے سے پہلے نہیں کہ ظالموں کو اندھا دھند ہمیشگی کے عذاب میں مبتلا کر دیا گو عین تقاضائے عدل ہوتا لیکن خدا کی یہ شانِ ربوبیت و رافت بہرحال اس سے بالا تھی ، چنانچہ پہلے اصلاحِ احوال اور اصلاحِ اعمال کا موقع دیتا ہے ، اگر اس سے بھی وہ فائدہ نہیں اٹھاتے تو پھر "عذابِ مقیم" یعنی ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب ان کے لئے تیار ہے۔ مگر اتمامِ حجت کر لینے اور تلافیٔ مافات کا موقع دے چکنے کے بعد پہلے ظالموں کی ڈھارس بندھائی ، کہ گو ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے اور اصولاً ان کے لئے رحمت و مغفرت کی آس لگانے کا کوئی موقع نہیں ، لیکن نہیں ، خدا رب ہے ، وہ ان کے ساتھ رعایت کر سکتا ہے :

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِھِمْ ج — اور (اے نبی) بیشک تیرا پروردگار لوگوں کے لئے باوجود اُن کے ظلم کے بخشش کرنے والا ہے ۔

۲۱ھ

اور یہ رعایت کرتے پر وہ یوں مجبور رہے کہ اس کی خُو یہی ہے ۔ وہ اگر سزا

دیتا بھی ہے تو بالکل انتہائی اور آخری حالات میں ۔ چنانچہ اپنے "ذو مغفرت" ہونے کا یقین دلانے ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ بڑے نفسیاتی انداز میں مجرموں کے اندیشہ ہائے دور و دراز کا مداوا کرتا ہے :

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ج ۱۶	اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑنے لگے تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑے لیکن وہ انھیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے ۔

اور "اجل مسمی" سے پہلے، یعنی وقت نکل جانے سے پہلے :

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۵	پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح پر آگیا تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

کیونکہ اس کا یہ قاعدہ ہے کہ :

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ۲۶	اور ہم نے جو بستی بھی ہلاک کی پہلے اس میں ڈرانے والے ضرور بھیجے ۔

اسی قاعدہ اور اصول کی مزید تشریح :

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ج وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ ۲۸	اور (اے نبی) تیرا پروردگار بستیوں کو تا وقتیکہ وہ ان میں بڑی بستی میں رسول نہ بھیج دے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنایا کریں ہلاک کرنے والا نہیں ہے اور ہم بستیوں کو ایسی حالت میں ہلاک کرنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے باشندے ظالم ہوں ۔

البتہ ان تمام مرحلوں کے ختم ہونے کے بعد اتمام حجت کا وقت گزر جانے کے بعد تلافی کا موقع حاصل کر چکنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص باز نہیں آتا، نادم نہیں ہوتا، توبہ نہیں کرتا، منفعل اور پشیمان نہیں ہوتا، اپنی روش پر قائم ہے، ظلم کئے جاتا ہے سفاکی سے گریزاں نہیں ہوتا۔ جور و ستم اب تک اس کی سرشت ہے۔ یہاں تک کہ حیات ناپائدار کا دور ختم ہوتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمال کے ساتھ خدا کے حضور میں پہنچتا ہے تو اب وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ اب وہ "عذاب مقیم" سے پناہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اب اسے تیار رہنا چاہیئے کہ اس عذاب کو بھگتے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُسے اپنے اوپر مسلط کر لے۔ اب وہ اس سے بھاگنا چاہے گا مگر بھاگ نہ سکے گا۔ وہ اس سے نجات حاصل کرنا چاہے گا مگر ممکن نہ ہوگا۔ اس عذاب مقیم سے بچنے کے لئے وہ سب کچھ کرنے، سب کچھ دے دینے، لٹا دینے، قربان کرنے کے لئے تیار ہوگا، مگر بے سود۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ط وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ج وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

اور جس شخص نے نافرمانی کی ہے اگر سب کچھ جو زمین میں ہے اس کے قبضے میں ہو تو وہ ضرور اس کو فدیے میں دیدے تو جب لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے اظہار ندامت کریں گے اور لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

ان ظالموں، ان ستم پیشوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ یہ کسی قیمت پر بھی اب رستگاری حاصل نہیں کر سکیں گے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور اگر نافرمانوں کے پاس زمین کی ساری کائنات ہو اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور، تو قیامت کے دن عذاب کی سختی کے بدلے

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ ٢٧

اس کو دے ڈالیں اور ان کو خدا کی طرف سے ایسا معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

اور یہ بیچاروں کا اپنا سب کچھ، بلکہ ساری دُنیا تک دے دینے، لٹا دینے اور قربان کر دینے پر آمادہ ہو جانا عین تقاضائے فطرت ہے، کیونکہ جس عذاب سے یہ دوچار ہوں گے وہ کوئی معمولی عذاب نہ ہوگا۔ وہ ایسا عذاب ہوگا:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ ٢٨

ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جو انھیں اپنے گھیرے میں لئے ہوگی جب وہ فریاد کریں گے تو انھیں ایسا پانی دیا جائیگا جو تیل کے تلچھٹ کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا۔ یہ پانی بہت برا ہے اور یہ ٹھکانا بھی بہت برا ہے۔

کیونکہ وہ تواب اور غافر الذنوب ہونے کے باوجود حاکم بھی ہے۔ سب سے اچھا حاکم۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ٢٩

اور وہ سب سے بہتر حاکم ہے۔

رحمت ومغفرت کی بشارت

اللہ اسمارِ حسنیٰ کا حامل ہے جو دہشت انگیز نہیں، محبت آفریں ہیں، خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ جو ظلم کے مستحق ہیں انھیں بھی بار بار موقع دیتا، مہلت دیتا، تلافیٔ مافات کی سہولت دیتا اور درگزر کرتا ہے۔ جو لوگ ظالم ہیں، ستم پیشہ ہیں، جور و جبر جن کی سرشت ہے خدا انھیں ناپسند کرتا ہے، البتہ جب حد سے بڑھنے لگے تو انھیں کیفرِ کردار کو بھی پہنچاتا ہے۔

خدا اسمارِ حسنیٰ کا حامل کیوں ہے؟ وہ ظلم سے نفور کیوں ہے؟ وہ ظالموں کو کس لئے ناپسند کرتا ہے؟ کیوں انھیں دھمکاتا اور اپنے انتقام سے ڈراتا ہے؟ جواب میں بلا تامل صرف ایک بات کہی جا سکتی ہے، یہ کہ اپنے بندوں پر وہ حد سے زیادہ مہربان ہے۔ ان پر بے انتہا رحم کرتا ہے، اس کی رحمتِ کاملہ یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنے بندوں کو بے سہارا چھوڑ دے۔ اُن کے دکھ میں کام نہ آئے ان کی غلطیوں اور خطاکاریوں پر عفو و درگزر سے کام نہ لے۔ چنانچہ اس نے بار بار اپنے خطاکار، گنہ گار، عصیاں شعار اور جفاکار بندوں کو اپنے رحم و کرم اور مغفرت کی بشارت دی ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔

اپنے بارے میں وہ اپنے بندوں کو بتاتا ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ — اور وہ کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ۝ ۳۰ه — وہی ہے مہربان رحم والا۔

پھر ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ۲۵:۶

(اے نبی) کہہ دے کہ اس (قرآن) کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین میں چھپی باتوں کو جانتا ہے بیشک بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ کہہ چکنے کے بعد کہ وہ عالم الغیب والشہادہ ہے، زمین و آسمان کے بھید اس پر روشن ہیں۔ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ کائنات جس پر اس دنیا میں کسی علم، کسی سائنس اور کسی نگاہِ دورگیر کی رسائی نہیں۔ یعنی نفسِ انسانی، اس کے خطرات و تصورات اور خیالات سے بھی وہ اچھی طرح واقف ہے، پھر بھی اگر انسان ٹھہر جائے، گناہ اور معصیت سے دور ہو جائے تو مغفرت کا دروازہ اس پر کھلا ہوا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ ۲:۲۳۵

اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے تو تم اس سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

وہ بار بار اور پکار پکار کر اپنے زشت کار اور عصیاں شعار بندوں سے کہتا ہے:

وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ ۲:۲۲۱

اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔

اور زیادہ واشگاف الفاظ میں، اور زیادہ صاف، واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں وہ گنہ گاروں سے کہتا ہے، ہراساں مت ہو، آؤ میں تمھارے گناہ بخش دوں گا:

یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ۱۴:۱۰

وہ تمھیں اس لئے بلاتا ہے تاکہ تمھیں تمھارے گناہ بخش دے۔

گناہگار کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ معافی کا اعلان بھی اس کے قلبِ ناصبور کے لئے مایۂ تسکین و تسلی نہیں ثابت ہوتا اور زیادہ تاکید کے ساتھ وہ کہتا ہے کہ میری

طرف سے بشارت ورحمت کا اعلان صرف اعلان ہی نہیں ہے بلکہ وعدہ بھی ہے، خدا کا وعدہ جو کبھی نہیں بدلتا، جو اٹل ہوتا ہے ۔ اور اس وعدہ کے ساتھ میں تمھیں مغفرت کے علاوہ فضل کی بشارت بھی دیتا ہوں ۔

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط ۲۵ — اور اللہ اپنی طرف سے تمھیں مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے ۔

غلطی انسان سے ہوتی ہے، وہ خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔ ظلم بھی ایک غلطی ہے، دوسری اور غلطیوں کی طرح اس غلطی کا ارتکاب بھی تقاضائے بشریت ہے۔ لیکن ندامت کے اظہار اور تلافی کے بعد ظالموں کو بھی دھتکارا نہ جائے گا، مغفرت کے ایوانوں میں وہ بھی داخل ہو سکتے ہیں ۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ج ۲۶ — اور (اے نبی) بیشک تیرا پروردگار لوگوں کے لئے باوجود ان کے ظلم کے بخشش کرنے والا ہے ۔

اس لئے کہ خدا جہاں گنہ گار کو بخشنے کی قدرت رکھتا ہے وہاں گنہ گار کی توبہ بھی قبول کر سکتا ہے :

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ ۲۷ — وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے ۔

کیونکہ :

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۢ ۲۸ — اور اللہ کے سوا اور کون گناہ بخشتا ہے ؟

یاد رکھو خدا کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ تمھاری بدکرداریوں پر اس نے جو ڈھیل دے رکھی ہے یہ بھی اس کا رحم ہے ورنہ تمھیں آن

کی آن غارت کر کے تمھارے بدلے ایک دوسری قوم پیدا کر دے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ○

۳۹ھ

اور (اے نبی) تیرا پروردگار بے پروا رحمت والا ہے وہ اگر چاہے تو تمھیں ناپید کر دے اور تمھارے (ناپید کرنے کے) بعد جسے چاہے (تمھارا) جانشین کر دے جیسا کہ اس نے تمھیں دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا۔

لیکن وہ مہلت دیئے بغیر ظالموں کو بھی سزا نہیں دیتا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ج

۴۰ھ

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑنے لگے تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑے لیکن وہ انھیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔

اس کے باوجود کہ خدا اپنے بندوں سے محبت کرتا اور درگزر کرتا ہے:

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ○

۴۱ھ

اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

مگر وہ اس کی بخشش اور عطا کے سپاس گزار نہیں ہوتے:

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ○

۴۲ھ

بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ کی رحمت بے پایاں ہر حالت میں بندے کے ساتھ ہے:

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

۴۳ھ

لیکن اللہ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔

وہ اس کی خطاؤں کو معاف کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ ۴۴ — سو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

اس کا دریائے رحمت و مغفرت جب جوش میں آتا ہے تو گناہ کی تخصیص باقی نہیں رہتی۔ ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۴۵ — بیشک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے پاس بخشش اور رحمت کا نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ط ۴۶ — اور (اے نبی) تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے۔

وہ اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط ۴۷ — اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

پھر اتنا ہی کافی نہیں سمجھتا، اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ میرے بندوں تک یہ خوش خبری پہنچا دو:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۴۸ — (اے نبی، میرے بندوں کو خبر دے دے کہ میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں۔

وہ فرماتا ہے اور کتنی شفقت، مہربانی اور رحمت کے انداز میں فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط ۴۹ — اور جب میرے بندے مجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان کے قریب ہوں۔

انسان کہیں بھی ہو، کسی حالت میں ہو، کسی دور سے گزر رہا ہو، کیسے ہی حالات سے دوچار ہو، خدا کو ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں وہ ہمہ وقت اسے اپنے پاس پائے گا۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۵۵؎ — اور تم لوگ کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔

اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، وہ خود اپنی رحمت کے بارے میں اپنے خاطی اور عاصی بندوں کو بتاتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۵۱؎ — (اے نبی میری طرف سے) کہہ دے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوں۔

اس کے بعد اور زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں کہتا ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۵۲؎ — اور میری رحمت ہر شے کو اپنے اندر سما لیتی ہے۔

اور یہ سب کچھ کیوں ہے؟ رحمت وکرم، لطف و نوازش اور مرحمت و مغفرت کا یہ تواتر اور ترادف کس لئے ہے؟

اس لئے کہ:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۵۳؎ — اس نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے۔

ہاں بیشک خدا تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے، اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اپنی ذات پر رحمت اس نے لازم کرلی ہے، ہر گناہ وہ معاف کرسکتا ہے اور کرنے کو تیار ہے۔ عاصیوں اور خطاکاروں، ظالموں اور زشت کاروں، سفاکوں اور

جفا کاروں کو وہ مغفرت کی نوید دیتا ہے۔ اپنے بندوں سے کہتا ہے اے اپنی جان پر زیادتی کرنے والو یعنی ظلم و ستم کا ارتکاب کرنے والو میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس کی مغفرت و رحمت کا دامن بے حد وسیع ہے جو چاہے وہاں پناہ لے سکتا ہے۔ لیکن وہ عادل بھی ہے، قبل اس کے کہ اس کی مسندِ عدل سے کوئی فیصلہ صادر ہو اپنی اصلاح کر لو، ورنہ تختِ عدل پر بیٹھنے کے بعد:

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ط وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ○ ۵۴

(اے نبی) کہہ دے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرے گا اور وہی فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔

پھر نہ کسی سفارش کا موقع ہے نہ تلافی کا۔ جو بات ہونا تھی ہو چکی، اب تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر رہے گا۔:

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج ۵۵

اور (اے نبی) تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوئی اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں۔

اللہ کی یہ مخلوق جس کا نام انسان ہے اپنی فطرت اور مزاج، جبلت اور عادت خو اور سرشت، نقل اور عمل کے لحاظ سے جملہ مخلوقاتِ عالم کے مقابلے میں منفرد ہے۔ انسان جب فقر و فلاکت کے دور سے گزرتا ہے تو دولت مندوں کا شاکی رہتا ہے جب ثروت اور امارت کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، بے نواؤں اور محتاجوں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، انسان میں حرص اور خود غرضی بھی بدرجۂ اتم موجود ہے، وہ سب کچھ خود لے لینا چاہتا ہے۔ دوسروں کو کچھ نہیں دینا چاہتا، اگر دولتِ کونین بھی پالے تو کم ہے اور جیب سے دس روپے بھی نکل جائیں تو یہ نقصانِ عظیم ہے۔ اسی چیز نے انسانی سماج میں ابتری پیدا کر دی ہے اونچ اور نیچ کے درجے قائم کر دیئے ہیں۔ خدائے اسلام اس تفریق کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اس کی مرضی یہ ہے کہ انسانوں میں اخوت، مساوات اور باہمی ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں، جو دولت مند ہے شکر نعمت کے طور پر اُن لوگوں کے کام آئے جو بے نوا اور آشفتہ حال ہیں۔

صاحبِ استطاعت لوگوں کو غیر مستطیع لوگوں کی امداد و اعانت، خبرگیری اور غم خواری پر آمادہ کرنے کے لئے ربُ السمٰواتِ والارض نے جو انداز اختیار کیا ہے وہ سنگدل سے سنگ دل شخص کو بھی متحرک اور آمادۂ عمل کرنے کے لئے کافی ہے۔

جو لوگ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی دست گیری پر کچھ خرچ کرتے ہیں خدا اُن کا مقروض بن جاتا ہے، وہ پکارتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا
حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا
کَثِیْرَةً ۵۷

وہ کون ہے جو اللہ کو عمدگی کے ساتھ
قرض دے کہ وہ اس کے لئے اس کو کئی گنا
کر دے، بہت سے مراتب تک۔

ظاہر ہے کہ اگر خدا کسی سے قرض لے گا تو زیادہ سے زیادہ اضافہ کے ساتھ واپس کرے گا۔ اور یہ اضافہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ دینے والا جو دے اس کے نفع میں اپنے گناہ معاف کرا لے

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۝ ۵۷

اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن کو قوت دی اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمھارے گناہ دور کر دوں گا اور تمھیں ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے (درختوں) کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

خدا کا اپنے بندوں پر یہی احسان نہیں ہے کہ جو اس کی راہ میں خرچ کرے گا وہ تو مورد لطف وکرم رہے گا، جو نادار اور مفلس ہوں گے مُنہ دیکھتے رہ جائیں گے، جو شخص اپنی جیب میں سیم وزر کے سکے نہیں رکھتا لیکن اس کی رحمت و مغفرت سے ہم کنار ہونا چاہتا ہے اس کے لیے بھی محرومی نہیں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ ۵۸

بے شک اللہ کے پاس بڑا بھاری ثواب ہے۔

اگر وہ معمولی سا نیک کام بھی کر دیتا ہے، کسی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر کھڑا کر دیتا ہے، سڑک پر پڑے ہوئے کانٹے کو ایک طرف پھینک دیتا ہے، دشمنوں اور مخالفوں سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرتا ہے، ماں اور باپ سے میٹھی بات کرتا ہے، بیوی اور بچوں سے اچھی طرح پیش آتا ہے تو یہ بھی نیکی ہے اور اس کا اجر بھی خدا کے ہاں وافر ہے:

وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ ۵۹

اور اگر (ایک ذرّہ) نیکی ہو تو وہ اس کو دو چند کر دے گا اور اپنے پاس سے بڑا بھاری ثواب دے گا۔

جو لوگ غریبوں اور محتاجوں، ناداروں اور مفلسوں کی امداد و اعانت کرتے

ہیں وہ سوسائٹی کو ایک مفسدہ سے بچالیتے ہیں۔ اسی لئے بار بار انھیں مخاطب کیاگیا۔ اور آمادۂ عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے : ارشاد ہوتا ہے :

إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ [۲۰]

بیشک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

اس کے بعد پھر ایک موقع پر فرمایا ہے :

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ [۲۱]

اور جو مال تم خرچ کرو وہ تمھاری ذات کے نفع کے لئے ہے اور تمھیں لائق نہیں کہ تم سوائے اللہ کی ذات کی طلب کے خرچ کروگے اور جو مال تم خرچ کروگے تمھیں اس کا ثواب پورا دیا جائیگا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

یہی بات دوسرے الفاظ میں پھر ایک بار کہی جاتی ہے :

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ [۲۲]

سو جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بڑا ثواب ہے۔

لیکن جو لوگ خدا کے راستے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں وہ اگر صرف خوشنودیٔ رب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں تو یہ نہ ہونا چاہیئے کہ کسی کی مالی امداد کرکے، صدقہ کرکے، خیرات کرکے، زکوٰۃ دیکے یہ سمجھ لیں کہ جیسے انھوں نے نوازا ہے اس پر بہت بڑا احسان کیا۔ طعنے دیا اور اُسے ذلیل و رسوا کرنا شروع کردیں :

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ [۲۳]

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اس کے خرچ کرنے کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں۔ ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں ان کا ثواب موجود

ہے اور نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے۔

انسانیت کا اصل معیار تو یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کی حاجت روائی کرتا ہے تو اس طرح کرے کہ ایک ہاتھ کی خبر دوسرے کو نہ ہونے پائے، تاکہ مخلوق سے داد و تحسین حاصل کرنے کی بجائے صرف خدا کی نظر میں اس کا رتبہ بلند ہو، لیکن اگر کوئی شخص احسان جتائے بغیر علی الاعلان بھی انفاق کرتا ہے تو اجر سے وہ بھی محروم نہیں رہے گا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ع۲۷۴

جو لوگ رات میں اور دن میں چھپا کر اور علانیہ طور پر (راہ خدا) میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں اُن کے لئے اُن کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں موجود ہے۔ اور نہ ان پر خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ کبھی اور کسی حالت میں انسان کے عمل کو اور خاص طور پر عمل خیر کو، خواہ وہ کیسا اور کسی درجے کا کیوں نہ ہو، ضائع نہیں کرے گا:

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ ع۴۷

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے عملوں کے ثواب میں ہرگز کمی نہیں کرے گا۔

اور جو لوگ نیکی اور بھلائی کا کام اپنے رب کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں، اگرچہ اُن کی جیب خالی ہو، تو نہ صرف یہ کہ ان کا عمل ضائع نہیں ہوگا بلکہ انھیں پورا پورا اجر ملے گا:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ع۱۹۷

اور جو نیک کام بھی تم کرو اللہ اس کو جانتا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہی بات پھر دہرائی ہے :

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ   اور نیکی کا جو کام تم کرو گے بے شک اللہ
عَلِيمٌ ۝ ۲۱۵   اس کو جانتا ہے ۔

اور جو لوگ ، لوگوں کو جتائے بغیر راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُن سے بھی فرمادیا
ہے :

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ   اور جو چیز بھی تم راہِ خدا میں خرچ کروگے تو
عَلِيمٌ ۝ ۲۷۳   بے شک اللہ اس کو جانتا ہے ۔

خدا کا احسانِ بے پایاں

دُنیا کا کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے مخصوص معتقدات کے ساتھ مخصوص مراسم اور تقریبات نہ رکھتا ہو۔ اور اصلاح و تنظیمِ انسانی کے لئے کسی دستور حیات سے خالی ہو۔ اسلام کے پاس بھی ایک ضابطۂ زندگی ہے، ایک اصولِ حیات ہے، مخصوص اور منفرد معتقدات ہیں، مخصوص مراسم اور تقریبات ہیں، اور ان کی بجا آوری فرض بھی ہے اور واجب بھی۔

فرض اور واجب کے سلسلے میں دوسرے مذاہب اپنے پیروؤں کو کسی طرح کی رعایت اور سہولت نہیں دیتے۔ اور اگر کسی حد تک دیتے بھی ہیں تو وہ نظام جسے آجکل کی اصطلاح میں Priest Hood کہتے ہیں چھین لیتا ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے مذہبی اجارہ داری کا خاتمہ کیا۔ اس کے ہاں عمل میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی واسطہ نہیں۔ دوسری طرف اس نے یہ کیا کہ فرائض اور واجبات میں حالات، ضرورت اور مصالح کے ماتحت سہولتیں اور آسانیاں بھی دے دیں اور ان کا اعلان بھی کر دیا۔ روزہ فرض ہے لیکن بیمار اور مسافر نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں ہے، بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی لیکن اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جا سکتا ہے۔ حد یہ ہے کہ غسلِ جنابت تک میں تیمم کافی ہے۔ سفر اور معذوری کی حالت میں نماز کی چار رکعتیں دو میں تبدیل ہو جاتی ہیں، غرض یہ اور اس طرح کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہم صرف اجمالی طور پر ان سہولتوں اور ان آسانیوں پر روشنی ڈالیں گے۔

سب سے پہلے ضرورت اس بات کے واضح کر دینے کی تھی:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ لله

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر سختی نہیں چاہتا۔

اس کے بعد دوسری ضرورت یہ تھی کہ انسان کو بتا دیا جائے کہ اس سے صرف وہی کام لیا جائے گا جس کی اس میں قدرت اور استطاعت ہو، چنانچہ یہ بات بھی صاف کر دی۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج ثه

ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

پھر اور زیادہ صاف الفاظ میں ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط ث

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اس کے فائدے کے لئے ہے جو وہ اچھے کام کرے اور اس پر وبال ہے جو وہ بُرے کام کرے۔

آگے چل کر یہی بات دُہرائی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا ط كه

اللہ کسی جان کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اختیار اس نے اُسے دیا ہے۔

دیت، قصر اور تیمم کے سلسلے میں ضروری سہولتیں اور آسانیاں عطا فرمانے کے بعد صاف اور واشگاف الفاظ میں فرمایا:

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ گه

یہ (دیت کا) حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے بوجھ ہلکا اور اس کی رحمت ہے

پھر ارشاد ہوا:

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ــه	اللہ چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔
پھر فرمایا	
مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ــه	اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ڈالے لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور (یہ اس لئے) تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔

فرائض ومحرمات میں رعایت وسہولت

اب میں ایک بات اور کہہ کر آیاتِ قرآنی سے استشہاد کا سلسلہ ختم کرتا ہوں۔

حلال وحرام کے بارے میں اسلام کا رویہ نسبتاً زیادہ سخت ہے۔ شراب حرام ہے۔ اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پیا جاسکتا۔ خنزیر حرام ہے، اس کی ایک بوٹی بھی نہیں کھائی جاسکتی۔ شرک حرام ہے، اس کے قریب بھی نہیں پھٹکا جاسکتا۔ لیکن ایک طرف موت ہو اور ایک طرف زندگی، اس صورت میں ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیے؟ سر پر تلوار لٹک رہی ہے کہ کلمۂ شرک منہ سے نکالو۔ ورنہ سرتن سے جُدا کردیا جائے گا۔ ڈاکٹر کہتا ہے دو چمچے برانڈی کے نہ پیے تو اس دُنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔ آبادی سے دُور کسی جنگل میں، کسی صحرا میں، کسی ویرانے میں کڑاکے کے کئی فاقے گزر چکے ہیں، کوئی حلال وطیب چیز نہیں ملتی کہ پیٹ میں جائے اور جسم وجان کا رشتہ قائم رکھ سکے۔ ہاں ایک خنزیر سامنے ہے، اس کا گوشت کھا کر زندگی کا رشتہ قائم رکھا جاسکتا ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ شرع کی اصطلاح میں انسان کو رخصت اور عزیمت کی سہولت حاصل ہے۔ عزیمت یہ ہے کہ مر جائے مگر کسی فعل حرام کا ارتکاب نہ کرے۔ اور رخصت یہ ہے کہ زندہ رہنے کے لئے کلمۂ شرک کہہ گزرے۔ خنزیر کھالے۔ شراب پی لے، لیکن رغبت اور اشتیاق کے ساتھ نہیں۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ ۱۷۳

آیاتِ قرآنی پر ہم نے ایک نظر ڈال لی اور معلوم کرلیا کہ خدا اپنے بندوں کے

ساتھ کس درجہ مہربان اور رحیم ہے۔ اور اس نے اپنے خاطی اور عاصی بندوں کی تسکین و تسلی کے لئے کس کس طرح اپنے عدل اور انصاف کے ساتھ ساتھ اپنے رحم و کرم، اپنی مغفرت و مرحمت اور اپنے فضل و کرم کی بشارت دی ہے۔

قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے، حدیث عبارت ہے فرمودات رسولؐ سے احادیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ معتبر و مستند کتاب بخاری مانی جاتی ہے۔ اسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں۔ اب ہم احادیث بخاری کی روشنی میں دیکھیں گے کہ احادیث کا مطالعہ خدا کے بارے میں، اس کے عدل و انصاف، رحم و کرم اور مغفرت و مرحمت کے بارے میں کس طرح کا تصور قائم کرنے کا موقع دیتا ہے؟

احادیثِ نبوی اور خدائے رحمٰن و رحیم

ذیل میں ایک حدیث درج کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے رحم و شفقت آمیز سلوک کا اپنے بندوں کے ساتھ جو بیان فرمایا ہے وہ کس درجہ روح پرور ہے :

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :

"جب اللہ تعالیٰ پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو رحم نے کھڑے ہو کر عاطفتِ الٰہی کا دامن پکڑ لیا۔ اللہ نے فرمایا :

"رک جا"۔ رحم نے کہا۔ میرا کھڑا ہونا آپ کی پناہ چاہنے کے لئے ہے۔ اس شخص سے جو قطع رحمی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تیرے رشتے کا حق ادا کرے میں اس پر مہربانی کروں" رحم نے کہا "ایسا ہی کر" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ایسا ہی کیا" ۔ ۵۵

گزشتہ اوراق آیاتِ قرآنی کے دوران مطالعہ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ لیکن ذیل کی حدیثِ نبوی سے اندازہ ہوگا کہ اس کی رحمت کے قطرے جلالِ کبریائی کی آگ کو بھی ٹھنڈا کر دیتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :

"جب خدا تخلیقِ عالم کر چکا تو اس نے اپنی کتاب میں جو عرش کے اوپر ۔

ہے لکھ لیا ہے کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔ ۴۸ھ

دُنیا میں ماں سے بڑھ کر اپنے بچّے سے محبّت کرنے والا شفقت کرنے والا،
اس کی خطاؤں کو ڈھانپنے والا، اس کے ہر دُکھ درد میں کام آنے والا کون ہے ؟
جب کائنات کا ہر ذرّہ دشمنی پر تُل جاتا ہے، وہ آغوشِ مادر ہے، جو اپنے گنہگار اور
جفاکار بچّے کو سینے سے لگاتی اور اپنی محبّت سے اس کا خوف دُور کر دیتی ہے، لیکن
خدا اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور ؐ کے پاس کچھ قیدی آئے، جن میں ایک عورت
بھی تھی، اس کے سینے سے دودھ بہا جاتا تھا، آخر اس نے ان قیدیوں
میں سے اپنا بچّہ ڈھونڈ لیا۔ اور اسے پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور
دودھ پلانے لگی۔ حضور ؐ نے فرمایا کہ کیا تمھارے خیال میں یہ عورت اپنے
بچّے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اسے بچا لینے
پر اس کا بس چلے تو یہ کبھی بھی اسے آگ میں نہ ڈالے گی، حضور ؐ نے
فرمایا۔ اللّٰہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی
یہ عورت اپنے بچّے پر مہربان ہے۔ ۴۹ھ

کافر خدا کی بادشاہت میں نہیں داخل ہو سکتا اس لیے کہ خدا کافروں سے خوش
نہیں ہے۔ انھوں نے ہدایت کے راستے کو ٹھکرایا اور باطل کا راستہ اختیار کر لیا۔
جہنّم انہی کے لیے تیار کی گئی ہے، لیکن اگر کافر خدا کی رحمتِ کاملہ کا حال جان لے تو اس
کی مایوسی ہی ختم ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ ؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے اندر رحمت کے سو حصے ہیں، جس میں سے صرف ایک حصہ ہے جو اس نے جن و انس، چوپایوں اور کیڑوں مکوڑوں میں تقسیم فرمادیا ہے ایک حصہ کی بدولت لوگ باہمی لطف و مہر کو قائم رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے جنگلی جانور بھی اپنے بچوں پر شفقت رکھتے ہیں، بقیہ ننانوے حصے اس نے اس لئے رکھ لئے ہیں کہ اپنے بندوں پر بروز قیامت رحم فرمانے کے لئے ان کو کام میں لائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام و کمال رحمت کا علم اگر کافر کو ہو جائے تو وہ جنت سے کبھی نا امید نہ ہو اور اس کے کل عذاب کا علم مومن کو ہو جائے تو وہ کبھی آگ سے اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اللہ نے رحمت کے سو حصے کئے ہیں، ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لئے اور ایک حصہ زمین پر اُتارا جس سے ساری مخلوق رحم کا اظہار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ گھوڑا بھی اپنے بچے کے اوپر سے پاؤں اٹھالیتا ہے کہ کہیں دب نہ جائے۔ مشکوٰۃ

صبح سے لے کر شام تک، بلکہ رات تک، ہم کتنے گناہ نہیں کرتے؟ حق داروں کا حق مارتے ہیں، لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف سازش کرتے ہیں، معصوموں پر تہمت لگاتے ہیں، حق کی روزی پر اس طرح نہیں لپکتے جس طرح باطل کی روزی کی طرف دوڑتے ہیں، لیکن خدا ہر روز پکارتا ہے کہ گنہ گارو آؤ، میں معاف کردوں۔

من یدعونی فاستجب لہٗ ومن یسألنی فاعطیہ ومن یستغفرنی

فاغفرلہٗ۔

کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے گا، میں اس کی دعا قبول کر لوں گا جو مجھ سے مانگے گا میں اسے دوں گا، جو مجھ سے مغفرت طلب کرے گا میں اسے بخش دوں گا۔ ۸۱ھ

خدا اگر صرف عدل و انصاف پر تُل جائے تو کون ہے جو بچ سکے گا۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر چھوٹے بڑے گناہ کس سے سرزد نہیں ہوتے؟ غلطی اور خطا کاری سے کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی محفوظ نہیں ہے، جہنم سے بچنے اور جنت میں جانے کے لئے اعمال کا توشہ اتنا کام نہیں دے سکتا جتنی رحمتِ الٰہی معصوم ہونے کے باوجود سرورِ کائنات کو بھی اگر آسرا تھا تو صرف رحمٰن کا۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کسی شخص کو اس کے اعمال جنت میں نہیں داخل کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہیں مجھ کو بھی نہیں، سوا اس کے کہ خدا اپنی رحمت کے دامن میں مجھے چھپا لے، تمھیں چاہیے کہ میانہ روی اختیار کرو، اللہ کی قربت حاصل کرو، موت کی آرزو نہ کرو، کیونکہ اگر نیک آدمی ہے تو شاید اپنی نیکی میں (کچھ اور) اضافہ کر لے، گنہ گار ہے تو توبہ کر لے۔ ۸۲ھ

مزدور اور سرمایہ دار کا نقشہ اقبالؔ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جس طرح غیروں کو دیتے ہیں زکات

اُس کی مزدوری مار لینا، اُسے اُجرت کم دینا، کم اُجرت دے کر زیادہ سے

زیادہ کام لینا ایسا جرم ہے جسے لوگ محسوس بھی نہیں کرتے ہیں۔ ایسے مزدور کا مدّعی خود خدا ہے :

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا مدّعی ہوں گا :

۱ : وہ شخص جس نے میرا نام لے کر قسم کھائی پھر اس کی خلاف ورزی کی۔

۲ : وہ شخص جو کسی آزاد آدمی کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت کھا جائے۔

۳ : وہ شخص جو کسی مزدور کو اُجرت پر لگا کر اس سے پورا کام لے اور اس کی اُجرت نہ دے۔

قوت و طاقت اور دولت و امارت کے زعم میں انسان دوسرے کم مایہ انسانوں کے ساتھ تنگ انسانیت سلوک کرتا رہتا ہے اور ظلم کرتا ہے۔ لیکن اپنی دولت اور اثر و رسوخ کے بل پر قانون کی گرفت سے بچ جاتا ہے، لیکن کیا وہ خدا کی گرفت سے بچ سکے گا؟ اس لئے کہ مظلوم اور خدا کے مابین کوئی حجاب نہیں۔ :

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا :

"مظلوم کی فریاد سے ڈرتے رہنا، کیونکہ اس کے اور خدا کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے " ۳؎

خدا اپنے بندوں پر کس درجہ مہربان ہے اس کی رحمت و غفران کا کیا عالم ہے لسانِ رسالتؐ نے اُسے بار بار اور متعدد موقعوں پر بیان فرمایا ہے۔ اور اس سلسلے میں

ایسی مثالیں دی ہیں جو اپنی معنویت اور اعجازِ بلاغت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں :

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کے سامنے چند قیدی حاضر کیے گئے، اُن میں ایک عورت بھی تھی اس کی چھاتیاں دودھ سے ایسی بھری ہوئی تھیں کہ دودھ ٹپکتا تھا۔ جہاں کہیں بچہ پاس آتا وہ اس کو پیٹ سے لگا کر دودھ پلا دیتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آیا تمہیں خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے۔ ہم نے کہا نہیں! یہ قادر ہے مگر ڈال نہیں سکتی۔ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس عورت سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔" مشکوٰۃ

معاملات میں خاص طور پر روپے کے لین دین میں عام طور پر انسان مروّت، رعایت، رحم اور درگزر سے کام لینے کا عادی نہیں ہے، لیکن خدا کا حکم یہ ہے کہ روپے کے لین دین میں بھی انسان کی مجبوری کو دیکھو اور اسے امکانی حد تک سہولت دو، اس طرح نہ صرف تم انسانیت کی خدمت کرو گے بلکہ لطف و اکرامِ الٰہی کے بھی مورد ہو گے۔ یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے :

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ :
ایک تاجر تھا جو لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، جب وہ (معروض کو) تنگدست دیکھتا تھا تو اپنے خدّام سے کہتا تھا، اسے چھوڑ دو شاید (اس صلہ میں) اللہ ہم سے درگزر کرے۔ سو اللہ نے اسے بخش دیا۔

عالمِ خیال میں انسان نہ جانے کیا کیا سوچتا ہے۔ بُرائی بھی اور بھلائی بھی۔

لوگوں کو نقصان وزیاں پہنچانے کا پروگرام بھی بناتا ہے اور نفع پہنچانے کی اسکیمیں بھی تیار کرتا ہے۔ یہ کام بھی اجر اور جزا سے خالی نہیں۔ بُرا سوچنے والے کے لئے رعایت، اچھا سوچنے والے کے لئے اجر۔ برا سوچ کر اس پر عمل نہ کرنے والے کے لئے مرحمت، اچھا سوچ کر اس پر عمل کرنے والے کے لئے رحمت بے کراں:

حضرت ابن عباس آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:
"خدائے عزوجل حسنات اور سیأت کو رقم فرماتا ہے۔ جس نے کسی نیک کام کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک پوری نیکی لکھ لے گا۔ اور جس نے ارادہ کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی دس سے ستر تک کئی گنا اضافہ کرتا ہوا نیکیاں لکھے گا۔ اور جس نے کسی بُرائی کا ارادہ کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک پوری نیکی لکھ لے گا۔ اور اگر کسی نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک برائی لکھے گا۔"

(۸۵)

نیکوکاروں اور عملِ صالح کرنے والوں اور عبادت گزاروں کو خدا نے صرف یہی بشارت نہیں دی ہے کہ وہ جنّت میں جائیں گے، بلکہ ان کے عملِ صالح کی جزا اس طرح دینے پر وہ تیار رہتا ہے کہ ان کا دست و بازو بن جائے من و تو کا فرق ختم کر دے:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے اس کی دعوتِ جنگ میں قبول کرتا ہوں میرا بندہ جن چیزوں سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز وہ فرض ہے جو وہ ادا کرتا ہے، اور نوافل سے

میرا قرب اتنا حاصل کر جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ جو مانگتا ہے میں اسے دیتا ہوں، میری پناہ چاہتا ہے تو میں اُسے پناہ میں لے لیتا ہوں، اور جو کام مجھے کرنا ہی ہوتا ہے اس میں سب سے زیادہ تامل اس مومن کی جان لینے وقت ہوتا ہے جو ابھی مرنا پسند نہیں کرتا۔ ادھر اسے موت ناپسند ہوتی ہے اور ادھر مجھے اس کی ناپسندیدگی ناپسند ہوتی ہے۔

حرفِ آخر

خدا اور بندے کے تعلق کے بارے میں حدیث ذیل ایسا تصور پیش کرتی ہے جو حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے :" انسان خدا کو جیسا سمجھے گا ویسا ہی پائے گا"۔ اب ذمہ داری خدا پر نہ رہی خود انسان کی طرف منتقل ہو گئی ۔ اس کا دل خدا کے بارے میں جو تصور قائم کرے گا خدا ویسا ہی بن جائے گا !

حضرت ابوہریرہ آنحضرت ؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو میرے ساتھ رکھے جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں ، اگر اس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور وہ مجھے فرشتوں میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر فرشتوں میں یاد کرتا ہوں ۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز جاتا ہوں ، اگر وہ میری طرف ایک گز آتا ہے تو میں اس کی طرف دو گز جاتا ہوں ، اگر وہ میری طرف آہستہ آہستہ آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں "۔ (۸۲)

اور اسی پر ہم یہ باب ختم کرتے ہیں

ماخذ

۱: سورۂ اعراف ۸۰
۲: ” بنی اسرائیل ۱۱۰
۳: ” طٰہٰ ۸
۴: ” نساء ۴۰
۵: اٰل عمران ۱۰۸
۶: ” حج ۱۰
۷: ” کہف ۴۹
۸: ” شعراء ۲۰۹
۹: ” مومن ۳۱
۱۰: ” حٰم سجدہ ۴۶
۱۱: قٓ ۲۹
۱۲: ” اعراف ۵۵
۱۳: ” انعام ۵۸
۱۴: ” بقرہ ۲۲۰
۱۵: ” مومنون ۴۱
۱۶: ” اعراف ۴۳
۱۷: ” انعام ۲۱
۱۸: ” کہف ۲۹
۱۹: ” اعراف ۴۱
۲۰: شوریٰ ۴۲
۲۱: سورۂ رعد ۶
۲۲: ” نحل ۹۱
۲۳: ” مائدہ ۳۹
۲۴: ” شعراء ۲۰۸
۲۵: ” قصص ۵۹
۲۶: ” یونس ۵۴
۲۷: ” زمر ۴۷
۲۸: ” کہف ۲۹
۲۹: ” یوسف ۸۰
۳۰: ” ممتحنہ ۲۲
۳۱: ” فرقان ۶
۳۲: ” بقر ۲۳۵
۳۳: ” ” ۲۲۱
۳۴: ” ابراہیم ۱۰
۳۵: ” بقر ۲۶۸
۳۶: ” رعد ۶
۳۷: ” مومن ۳
۳۸: ” الصّٰفّٰت ۱۲۵

۳۹: سورۂ انعام ۱۳۳
۴۰: " نحل ۶۱
۴۱: " طارق ۱۴
۴۲: " بقرہ ۲۴۳
۴۳: " بقرہ ۲۵۱
۴۴: " النساء ۱۳۹
۴۵: " زمر ۵۳
۴۶: " انعام ۱۳۳
۴۷: " مومن ۶۰
۴۸: " حج ۴۹
۴۹: " بقرہ ۱۸۶
۵۰: " حدید ۴
۵۱: " زمر ۵۳
۵۲: " اعراف ۱۵۶
۵۳: " انعام ۱۲
۵۴: " سبا ۲۶
۵۵: " انعام ۱۱۵
۵۶: " بقرہ ۲۴۵
۵۷: " مائدہ ۱۲
۵۸: " توبہ ۲۲
۵۹: " بقرہ ۲۷۴
۶۰: سورۂ یوسف ۸۸
۶۱: " بقرہ ۲۷۲
۶۲: " حدید ۷
۶۳: " بقرہ ۲۶۲
۶۴: " " ۲۷۴
۶۵: " محمد ۳۵
۶۶: " بقرہ ۱۹۷
۶۷: " " ۲۱۵
۶۸: " " ۲۷۳
۶۹: " " ۱۵۸
۷۰: " مومنون ۶۲
۷۱: " بقرہ ۲۸۶
۷۲: " طلاق ۷
۷۳: " بقرہ ۱۷۸
۷۴: " نساء ۲۸
۷۵: " مائدہ ۶
۷۶: " بقرہ ۱۷۳
۷۷: صحیح بخاری کتاب تفسیر القرآن
۷۸: " باب بدءالخلق
۷۹: " کتاب الادب
۸۰: " کتاب الادب باب جعل اللہ الرحمۃ مائۃ جزء

۸۱ : صحیح بخاری باب التہجد باللیل

۸۲ : " کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ علی العمل

۸۳ : " باب وجوب الزکاۃ

۸۴ : " کتاب الادب

۸۵ : " کتاب الاستئذان

۸۶ : " کتاب التوحید

---

(۲)

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

اے محمد، ہم نے تمھیں سارے جہانوں کے لئے رحمت بناکر بھیجا ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے خدا کی طرف سے عدل واحسان کے احکام واضحہ

عدل وقسط کا حکم

اسلام کا خدا رحمٰن ورحیم ہے، تواب اور غفار ہے۔ اس کا آخری رسول بھی رحمۃ اللعالمین ہے، خدا اپنے عدل و احسان کی صفت جن بندوں میں دیکھتا ہے اُن سے خوش ہوتا اور انھیں نوازتا ہے۔ لیکن رسولوں کا درجہ عام بندوں سے زیادہ اونچا ہوتا ہے، وہ خدا کے پیامبر ہوتے ہیں، وہ خدا اور بندے کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں، وہ خدا کے احکام بندوں تک پہنچاتے ہیں اور جو احکام بندوں تک پہنچاتے ہیں اُن پر خود بھی نہایت پابندی اور سختی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کی ہستی اُس قوم کے لئے ایک نمونہ ہوتی ہے جس میں وہ مبعوث ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کسی ایک قوم کے لئے یا کسی ایک ملک کے لئے مبعوث ہو کر تشریف نہیں لائے تھے، آپ کا پیام ساری دُنیا کے لئے ہے، آپ کی نبوت کرۂ ارض کے ہر باشندے کے لئے ہے لہٰذا ضروری تھا کہ ہر حکم ربّی کو نامساعد اور تکلیف دہ حالات میں بھی نہایت خوبی کے ساتھ آپ عمل میں لاکر دکھادیں اور دُنیا کو بتادیں کہ جو احکام اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل کئے ہیں، نہ وہ دشوار ہیں، نہ ناممکن، نبی کی حیثیت بھی ایک انسان کی ہوتی ہے اور جن احکام کی بجاآوری وہ کرسکتا ہے دوسرے لوگ بھی کرسکتے ہیں بشرطیکہ ایسا چاہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے لوگوں کے سامنے یہ حقیقت منکشف کرائی کہ:

قُلْ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِیَ
السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○
[1]

کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے نفع اور
نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جس قدر
اللہ چاہے ، اور اگر میں عیب جانتا ہوتا
تو میں (اپنے لئے) بہت سی بھلائی اکٹھی
کر لیتا اور مجھے (کبھی کوئی) تکلیف نہ پہنچتی۔
میں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں صرف
ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

یہی حقیقت ایک مرتبہ پھر دوسرے پیرایہ میں اور دوسرے الفاظ میں زیادہ اثر انگیز طریقے پر بیان فرمائی ہے :

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ
الْاَرْضِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ
اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ
اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی
الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ○
[2]

تو کہہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس
خدا کے خزانے ہیں اور نہیں کہتا کہ میں عیب
داں ہوں اور نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں،
میں تو اسی وحی کا تابع ہوں جو مجھے ہوتی ہے
تو کہہ کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوتے ہیں کیا
تم فکر نہیں کرتے ؟

اس حقیقت کے واشگاف کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ بتاتا ہے کہ اپنے انبیاء سے یہ کام ہم ہمیشہ لیتے آئے ہیں، صرف تجھی کو اس کام پر مامور نہیں کیا ہے ، ارشاد ہوتا ہے :

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ
اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ
لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ [3]

بے شک ہم نے کھلی دلیلیں دے کر اپنے
رسول بھیجے ، اور اُن کے ساتھ کتاب اور
ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

یہ بیان کر چکنے کے بعد اب خاص طور پر نبی آخر الزمان کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ۴۲

اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہ ایک عام حکم تھا جس میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انصاف کرنے والوں کو خدا دوست، اور محبوب رکھتا ہے، اس کے بعد ایک موقع پر عدل کا حکم دیتے ہوئے اس رسول کو جو گو سراپا رحمت تھا، سراپا عدل تھا، لیکن بشر بھی تھا، مخاطب کر کے فرمایا ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ ۱۰۵

ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ جو کچھ خدا تجھے سمجھائے اس سے تو لوگوں کے درمیان انصاف کرے اور تو خیانتیوں کا حامی نہ ہو۔

اس آیۂ کریمہ سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ حق وہ ہے جو کتاب یعنی قرآن میں موجود ہے لہٰذا فیصلہ اسی کے مطابق کیا جائے۔ اور پھر محض ازراہ احتیاط وہ بات فرمائی جاتی ہے جس کا ذرا بھی امکان نہ تھا کہ کہیں خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بن جانا، درحقیقت یہ اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ گو آنحضرت ؐ کو مخاطب کر کے کہے گئے ہیں لیکن ان میں اصل انتباہ عوام کے لئے ہے یعنی جب رسول ؐ کو اس کام سے روکا جاتا ہے جو اپنی معصومیت کے باعث اس کام مرتکب ہی نہیں ہو سکتا تو دوسرے لوگوں کے لئے تو یہ ممانعت بدرجۂ اولیٰ زبردست انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

پھر ایک اور آیت میں نبی آخرالزماں م کو حکم دیا گیا ہے کہ :

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا	سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ
تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ	کر اور خواہش پر نہ چل کر وہ تجھے اللہ کے
اللّٰهِ ۝ ص	راستے سے بھٹکا دے گی ۔

اس میں ایک اور پابندی یہ عائد کی گئی ہے کہ فیصلہ حق کے ساتھ کرو، اپنی خواہش کے مطابق نہیں اور اگر ایسا کیا تو یہ چیز اللہ کے راستے سے بھٹکا دینے والی ہوگی ۔

ظاہر ہے جس شخص کو خدا نے اپنا رسول منتخب کیا ہے اور جسے خاتم الانبیاء قرار دیا ہے، وہ نہ اپنی خواہش پر چل سکتا ہے نہ اللہ کے راستے سے بھٹک سکتا ہے، لیکن بشریت کے باعث بار بار اسے انتباہ کیا جاتا ہے جیسا کہ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا ہے، اور اس کے الفاظ بھی خاص طور پر قابلِ غور ہیں یعنی اتباعِ اہواء سے اس میں روکا گیا ہے :-

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ	سو ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ	کر جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں
مِنَ الْحَقِّ ط ما ۵	پر نہ چل حق چھوڑ کر جو تیرے پاس آئے ہیں

ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کوئی فیصلہ کرتے وقت اپنی خواہش کی پابندی تو نہیں کرتا لیکن دوسروں کی خواہشات کا خیال و لحاظ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، یہ بھی ایک بشری کمزوری ہے، اور جس طرح اپنی خواہشات کی پیروی عدل و انصاف کے معاملے میں ناجائز اور نامناسب ہے اسی طرح دوسروں کے خواہ وہ کسی پایہ کے لوگ کیوں نہ ہوں خواہشات کی پیروی کرنا بھی خدا کی طرف سے ممنوع اور اس کی جناب میں ناپسندیدہ ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا :

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ
اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○

مہ

اور یہ کہ تو ان کے درمیان اس کے مطابق
فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی
خواہشوں پر نہ چل اور اُن سے ڈر کہیں
ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے ان بعض احکام سے
منحرف کر دیں جو اللہ نے تیری طرف اتارے
ہیں، پھر اگر وہ نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ ہی
کو یہ منظور ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے
سبب اُن کو مبتلائے مصیبت کرے اور
بیشک اکثر آدمی نافرمان ہیں۔

خواہ اپنی خواہشات کی پیروی مقصود ہو یا دوسروں کی خواہشات کا خیال و لحاظ عناں گیر ہو اگر انسان اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب پر اُسے یقینِ کامل ہو اور یہ بھی احساس ہو کہ خدا نے اسے راہِ حق پر استقامت کی ہدایت کی ہے اور عدل کا حکم دیا ہے تو وہ کبھی اور کسی حالت میں حق و انصاف کا راستہ ترک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اپنے نبی ؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ج وَ
قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ
لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ○

(جس طرح تجھے حکم ہوا ہے اس پر قائم رہ اور ان کی خواہشات
کا اتباع نہ کر اور کہہ دے کہ اللہ نے جتنی کتابیں اتاری
ہیں، اُن پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور مجھے تمہارے درمیان۔

عدل رکھنے کا حکم ہوتا ہے۔)

اس سلسلے میں جتنی آیتیں پیش کی گئی ہیں وہ اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ اللہ کے نزدیک عدل و انصاف غیر معمولی اہمیت رکھنے والی چیز ہے، اور سچ پوچھیے تو انسانی معاشرہ اس وقت تک فتنہ وفساد سے محفوظ اور امن وامان سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جب تک بے لاگ انصاف سوسائٹی کا اٹل اصول نہ ہو، ایسا انصاف جس میں نہ ذاتی رجحانات کو دخل ہو نہ دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور ساتھیوں کے چشم و ابرو کا پاس و لحاظ ہو، وہ انصاف جس طرح غریب کے لئے کیا جائے اسی طرح امیر کے لئے بھی ہو۔ پست و بلند کی تفریق خدا کی عدالت میں، خدا کے رسول کی عدالت میں اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین کی عدالت میں روا نہیں رکھی جا سکتی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے بھی بار بار تکرار اور تسلسل کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ عادل و منصف ہے، چونکہ اس زمین پر رسول اس کا نائب ہے اس لئے بار بار تکرار اور تسلسل کے ساتھ اسے بھی کہیں نرم و ملائم الفاظ میں کہیں سخت اور درشت لہجے میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ کبھی اور کسی حالت میں عدل و انصاف کے راستے سے وہ منحرف نہ ہو۔

مسلمانوں کو نبی کریمؐ کی اقتدا اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے، یہ نفسیاتی چیز ہے کہ جو وصف اپنے نبی میں کثرت کے ساتھ وہ دیکھیں گے اسے اپنے آپ میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے جمالِ نبویؐ سے مشرف ہونے کا فخر حاصل کیا تھا اور صحبتِ نبویؐ کے فیض سے مستفیض ہوئے تھے ان کی ساری زندگی کھنگالنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انھیں سب سے زیادہ خیال اس بات کا تھا کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے، کوئی انصاف سے محروم نہ رہ جائے۔

ایک موقع پر ارشاد ہوا :

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ٥

ـه

کہہ دے کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم کیا ہے۔

پھر ارشاد ہوا :

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ٥

ـه

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔

مزید تاکید بلکہ تاکید شدید :

وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ ٥
ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ ٥
مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ٥

ـه

اور تو کسی ایسے کے کہے میں نہ آجانا جو زیادہ قسمیں کھاتا ہو، اور آبرو باختہ ہو، آوازے کسا کرتا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیکی سے منع کرتا ہو، حد سے بڑھ گیا ہو، اور بد ہو۔

ایک طرف فطرتِ رسول، عدل و قسط اور انکسار و فروتنی، میانہ روی اور انصاف کی خوگر تھی، دوسری طرف خدا کا تاکیدی حکم بھی یہی تھا، پس کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ آپؐ راہِ انصاف کو نظر انداز کر دیتے۔ یہی جانتے ہوئے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا :

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥

ـه

سو (اے محمدؐ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایمان دار ہو نہیں سکتے جب تک اپنے جھگڑے میں تجھے منصف نہ بنائیں پھر جو تو فیصلہ دے اس پر اپنے دلوں میں تنگ نہ ہوں۔

بعض آیات میں اَھوٓا کا ذکر آیا ہے ۔ اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:
" اتباعِ اہواء کے سلسلے میں اگرچہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مراد دوسرے لوگ ہیں، کیونکہ آپ اتباعِ اَھوٓا (خواہشات) کر ہی نہیں سکتے تھے ۔"

احادیثِ نبوی پر بھی اس سلسلے میں اگر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ۔

اسلام کے احکام دو طرح کے ہیں مستقل اور وقتی ، جو مستقل احکام ہیں ان میں تو کسی طرح کا ردو بدل نہیں ہو سکتا لیکن جو وقتی احکام ہیں ان میں حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے ۔ بشرطیکہ عدل و قسط کا تقاضا ایسا ہی ہو ، اس لئے کہ دُنیا کے مذاہب میں اسلام وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے اپنے تمام احکام شرائع ، تعزیرات اور اصولوں میں سختی کے ساتھ جس چیز کو پیشِ نظر رکھا ہے وہ ہے عدل و احسان ۔ اسلام یہ گوارا نہیں کرتا کہ انسان قانون کی بھینٹ چڑھا دیا جائے ۔ وہ اسے پسند کرتا ہے کہ اگر حالات و مصالح کا تقاضا ہو تو قانون نرم کر دیا جائے ۔ احکام میں آسانی پیدا کی جائے ، اور نفاذِ احکام میں بھی سہولت مدِ نظر رہے ۔

احادیث کے مطالعے سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے ذیل میں جو حدیث پیش کی جا رہی ہے وہ ہمارے اس دعوے کی بہترین شاہد اور گواہ ہے :

" حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو تم میں سے قربانی کرے اسے چاہیئے کہ تین روز کے بعد تک اس کا

گوشت نہ رکھے۔ (بلکہ سب تقسیم کر دے) جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا گزشتہ سال ہی کی طرح کریں؟ (اور کل گوشت تقسیم کر دیں) فرمایا (نہیں بلکہ) کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع کرو۔ اس سال چونکہ لوگوں پر تنگی تھی اس لئے میں نے چاہا تھا کہ تم اس طریقے سے ان کی مدد کرو (اب اس کی ضرورت نہیں) ۱۵ھ

اس سے ثابت ہوا کہ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حالات اور مصالح کو پیش نظر رکھ کر حکم دیا جائے اور یہ حکم حالات و مصالح کے ماتحت تبدیل بھی ہو سکتا ہے ذیل کی حدیث بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جس سے یہ آسانی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر عدل متقاضی ہو تو مناسب حد تک احکام میں تبدیلی کی جا سکتی ہے:

"حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر کو بوجہ خراش کے جو اُن کے جسم پر تھا ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دے دی" ۱۶ھ

ذبیحہ اسلام میں بڑی اہمیت کی چیز ہے، لیکن اس کا تعلق روزمرہ کی ضروریات زندگی سے ہے۔ لہٰذا عدل کا تقاضا یہ تھا کہ جتنی سہولت اس سلسلے میں دی جا سکتی ہے وہ دی جائے۔ حدیث ذیل اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے:

حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس کچھ آدمی گوشت لائے ہیں مگر ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اس پر بسم اللہ پڑھی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: "تم اس پر بسم اللہ کہہ کر کھالو" ۱۷ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کے باوجود بشر تھے۔ اور اپنی اس بشریت کا آپ کو احساس بھی تھا۔ جب کوئی مقدمہ آپ کے پاس آتا تو کوشش یہی ہوتی کہ

فیصلہ انصاف کے مطابق ہو، لیکن بشریت کی بنا پر اس کا احتمال بھی تھا کہ فیصلے میں چوک ہو جائے۔ چنانچہ

ام المومنین حضرت سلمیٰ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو باہر تشریف لائے، آپؐ نے فرمایا میں بھی انسان ہوں، میرے پاس اہلِ خصومت آتے ہیں، ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے مقابلے میں زیادہ چرب زبان ہو، میں گمان کروں کہ اس نے سچ کہا ہے اور اسی کے موافق فیصلہ کر دوں۔ پس اگر میں کسی شخص کو کسی دوسرے مسلمان کا حق دلا دوں تو وہ دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے، خواہ اُسے لے لے یا اُسے ترک کر دے۔ ۱۸

حدیثِ ذیل بھی اسی حقیقت کی ترجمان ہے:

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے:

اللّٰھم فایّما مومنٍ سببتہٗ فاجعل ذالک لہٗ قربۃ الیک یوم القیامۃ۔

"اے اللہ جس مومن کو میں نے بُرا کہا ہو، اس کے لئے یہ بُرا کہنا قیامت کے دن قربت کا باعث بنا دیجیو" ۱۹

غصے کی حالت میں انسان اعتدال اور توازن کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا غیض و غضب کے عالم میں فیصلہ کرنے سے آپ نے منع فرمایا:

حضرت ابوبکرہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ کوئی اس حالت میں دو آدمیوں کے مابین فیصلہ نہ کرے جب کہ وہ حالت غضب میں ہو " ۔ ۵۲۰

فکر و نظر کا اختلاف ایک فطری چیز ہے، اس اختلاف کو کفر و اسلام کا معیار قرار دینا غیر مستحسن ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ جو آدمی کسی آدمی کو فاسق بتاتا ہے یا کفر سے منسوب کرتا ہے تو (یہ کفر و فسق) اس کی طرف لوٹ آئیں گے اگر وہ ایسا نہ ہوا۔ ۵۲۱

ہم میں سے اکثر اپنے لئے سہولت، آسائش اور رعایت کے طالب ہوتے ہیں، خواہ اس سے دوسروں کی حق تلفی ہی کیوں نہ ہوتی ہو اور انھیں تکلیف و اذیت سے کیوں نہ دوچار ہونا پڑتا ہو، آپ نے اس خود غرضی سے جو سراسر منافی عدل و انصاف ہے منع فرمایا ہے:

ابن عمر کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے ہٹا دے اور خود اس کی جگہ بیٹھ جائے عرض کی گئی کیا یہ بات جمعہ کے لئے مخصوص ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جمعہ کے علاوہ ہر نماز کے لئے یہی حکم ہے۔ ۵۲۲

بلاشبہ کسی دوسرے پر جبر و جور کی اسلام اجازت نہیں دیتا، لیکن حفاظت خود اختیاری کے لئے، اپنے آپ کو جبر و جور سے بچانے کے لئے انسان آخری حد تک جا سکتا ہے:

یعلی بن امیہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اُجرت پر رکھا تھا، اس نے ایک شخص سے لڑائی کی، چنانچہ ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا، تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچا جس سے اس کے اگلے دانت گر گئے اور وہ نبی کریمؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اسے دانتوں کا معاوضہ نہیں دلایا۔ اور فرمایا "کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں رہنے دیتا تاکہ تو اسے چبا جاتا جس طرح اونٹ سبزے کو چباتا ہے" ۲۳ھ

دوسروں کے بارے میں سوءِ ظن سے کام لینا عدل و انصاف سے روگردانی اختیار کرنا ہے۔ جس طرح ہم یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہمارے عذرات کا احترام کریں، اسی طرح ہمیں بھی دوسروں کی معذوریوں کو سمجھنا اور محسوس کرنا چاہیے۔ ایک ایسے ہی موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کسی غزوہ میں تھے تو آپؐ نے فرمایا: "جو لوگ مدینہ میں ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جس درّے یا میدان میں ہم جائیں وہ ضرور اس میں ہمارے ساتھ ہوں گے۔ ان کو کسی عذر نے روک لیا ہے" ۲۴ھ

انسان کے لئے بڑا کٹھن وقت وہ ہوتا ہے جب دوسروں کے علاوہ خود اپنوں سے بھی اسے انصاف کرنا پڑتا ہے، اور انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے اور بیگانہ میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ ایک ایسے ہی موقع پر آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ تھا:

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسولِ خداؐ سے اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہؐ اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے بھانجے عباس رضؓ

کو فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: "ایک درہم بھی اُن سے نہ چھوڑو۔" ۲۵ھ

فتح مکہ کے بعد نو مسلموں کے ساتھ آپ کا برتاؤ تالیفِ قلوب کا تھا، لہٰذا داد و دہش کے موقع پر آپ ان کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ذیل کی حدیث اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:

حضرت عبد اللہ رض کہتے ہیں کہ حنین کے دن رسول خدا نے کچھ لوگوں کو حصہ دیا اور کچھ لوگوں کو نہ دیا۔ چنانچہ اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو بھی اسی قدر دیئے اور اشرافِ عرب میں سے چند لوگوں کو کچھ کچھ دیئے اور انھیں حصہ دینے میں ترجیح دی تو ایک شخص نے کہا، بخدا یہ تقسیم ایسی ہے کہ اس میں انصاف نہیں کیا گیا۔ یا (یہ کہا کہ) اس میں خدا کی رضامندی مقصود نہیں رکھی گئی۔ تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دوں گا۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور آپ سے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ اور اس کا رسول ہو ہی نہ کریں گے تو پھر کون انصاف کرے گا۔ اللہ موسیٰ پر رحم کرے انھیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی تھی مگر انھوں نے صبر کیا۔" ۲۶ھ

اس کے معنی یہ ہیں کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جدید الاسلام لوگوں سے نسبتاً بہتر سلوک کیا جائے۔

غلطی کس سے نہیں ہوتی، جرم انسان ہی سے ہوتا ہے اور عدالتِ انصاف سے اُسے سزا بھی ملتی ہے۔ اور سزا پانے کے بعد اس کے جرم کا دھبہ دُھل جاتا ہے۔

لیکن کچھ لوگ سزا یافتہ شخص کو ہمیشہ کے لئے مطعون کرنے لگتے ہیں ۔ یا اس کے ایمان پر شبہہ کرنے لگتے ہیں ، حالانکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے ۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ عہدِ نبوی میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا ، جس کا لقب حمار ہوگیا تھا ، یہ کبھی کبھی حضورؐ کو ہنسایا کرتا تھا ۔ حضورؐ نے اسے شراب نوشی کی سزا میں کوڑے لگوائے تھے ۔ لیکن اسے دوبارہ پھر اس جرم میں پکڑ کر لایا گیا ۔ آپ ؐ نے پھر اُسے سزا دینے کا حکم صادر فرمایا ، حاضرین میں سے ایک آدمی گویا ہوا ۔ اے اللہ اس شخص پر لعنت کر ، کیسا بار بار اسی جرم (شراب نوشی) میں لایا جاتا ہے ۔

یہ سن کر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا :

" اس پر لعنت نہ بھیجو ۔ خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ؐ سے محبت کرتا ہے ۔ " کلہ

انصاف کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا ، اس کی نگاہ میں گدائے بوریہ نشین اور امیر ابنِ امیر کی حیثیت ایک ہے ۔ آنحضرت ؐ کے سامنے جب بھی اس طرح کا کوئی مقدمہ آیا آپ ؐ نے فیصلہ کرنے میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی ، قریش چپقلش میں پڑ گئے ، اور انھوں نے باہم صلاح کی کہ کون اس کے بارے میں سفارش کر سکتا ہے ؟ پھر خود ہی کہنے لگے کہ آپ کے چہیتے اسامہ کے سوا اور کون اس کی جرأت کر سکتا ہے ؟ چنانچہ اسامہ نے سفارش کی ، آپ ؐ نے فرمایا ، تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی لئے برباد ہوئے کہ جب ان میں کوئی صاحبِ وجاہت چوری کرتا تو

چھوڑ دیتے اور جب کوئی بے کس چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے ۔
خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی ارتکاب سرقہ کرتی تو میں اس کا بھی
ہاتھ کاٹ دیتا ۔ ۲۰ھ

آنحضرتؐ کی زندگی میں سب سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ وہ تھا جب
اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی اور ان تہمت لگانے والوں میں ایک
ایسے صاحب بھی تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے دست نگر ہونے کے باوجود پیش پیش تھے ۔
آیت براءت نازل ہونے کے بعد :

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے)

"رسول اللہؐ کی جب وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ اس وقت تبسم فرما
رہے تھے ۔ سب سے پہلے جو الفاظ آپ نے مجھ سے فرمائے وہ یہ تھے
"عائشہ شکر کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو بَری کر دیا ۔"

میری والدہ نے مجھ سے کہا :

"رسول اللہؐ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ ۔"

میں نے کہا :

"بخدا میں آپ کے سامنے کھڑی نہ ہوں گی ۔ اور نہ میں خدا کے سوا
کسی کا شکر ادا کروں گی ۔"

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

انّ الّذین جاءُوا بالافک عصبۃ منکم

(بیشک وہ لوگ جنھوں نے یہ بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک گروہ ہے)
الغرض اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں جب میری براءت میں نازل فرمائیں تو

ابوبکر نے کہا:

"خدا کی قسم میں مسطح کو بعد اس کے کہ اس نے عائشہ کی نسبت ایسا کہا کچھ نہ دیا کروں گا"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربیٰ الیٰ قولہٖ واللہ غفور الرحیم ۝

(اور تم میں سے جو بزرگی والے اور وسعت والے ہیں اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنے سے باز نہ آئیں، کیا وہ نہیں چاہتے کہ اللہ انھیں بخش دے) تو ابوبکر نے کہا:

"ہاں، بخدا میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے۔ چنانچہ انھوں نے مسطح کو وہی کچھ دینا شروع کر دیا جو دیا کرتے تھے"

۲۹ھ

اعتدال و اقتصاد کا فرمان

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتدال و اقتصاد یعنی میانہ روی کا حکم بھی دیا ہے۔

اس طرح کے احکام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نعوذ باللہ آپ عدل و انصاف، اعتدال و اقتصاد کے راستے پر گامزن نہیں تھے۔ نہ ہوتے تو مرتبۂ نبوت پر کس طرح فائز ہوتے۔ فخر رسل کے درجے پر کس طرح پہنچتے۔ وما ینطق عن الھوی کا ارشادِ ربانی آپ کے بارے میں نازل ہوا:۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا کا حکم آپ کے بارے میں مسلمانوں کو کیونکر دیا جاتا؟ یا ایھا المزمل کے جاں نواز خطاب سے آپ کو کیونکر نوازا جاتا؟ باہمی جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے خدا اپنے ساتھ رسول کا نام فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر کیوں لیتا؟ خدا آپ کو معصوم کیوں قرار دیتا؟ یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا جن باتوں کو اپنے بندوں کے لئے ضروری سمجھتا ہے، جن صفات و ملکات کو اپنے بندوں میں لازمی طور پر پیدا کرنا چاہتا ہے ان کا حکم اپنے رسول کو بھی دیتا ہے یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ جب ہم نے اپنے رسول کو بھی ان احکام سے مستثنیٰ نہ رکھا تو دوسروں کا کیا ذکر؟

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن   اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور

صَوْتِکَ — اپنی آواز نیچی رکھو

سُکه

لاتجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک — نہ اپنے ہاتھوں کو گردن تک باندھ لو
ولاتبسطہا کل البسط ۳۱ه — نہ بالکل کھلا چھوڑ دو

اس آیت میں بخل اور اسراف کے مابین اقتصاد یعنی میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ایسا نہ کرنا خدا کے نزدیک موجب ملامت ہے ۔

پھر اعتدال و میانہ روی اور انکسار و فروتنی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ — اور لوگوں سے اپنے گال نہ پھلا ۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چل ۔ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ پہاڑ کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے ۔

۳۲ه

پہلے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ میانہ روی کو اپنا شعار بنالو، اپنی آواز نیچی رکھو، کہ یہی چیز لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتی، ان کے دلوں کو تقلید پر آمادہ کرتی اور ایک متوازن سوسائٹی پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے ۔

دوسری آیت میں میانہ روی اور انکسار کے سلسلے میں جو مثال پیش فرمائی ہے وہ بلاغتِ کلام، فصاحتِ لسان اور مغز و معنیٰ کے اعتبار سے تاریخِ امثال میں اپنا جواب نہیں رکھتی ۔ ایک آدمی اگر اکڑ کر اور سینہ تان کر لوگوں کے سامنے رعونت اور نخوت کا اظہار کر کے چلتا ہے تو کیوں؟ اس سے قطع نظر کہ ایک دن اُسے مرنا ہے اس سے بھی قطع نظر کہ یہ قوت یہ طاقت، یہ شکوہ جواب ہیں ہمیشہ باقی رہنے والا نہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ یہ جوانی اور قوت بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں، ایک دن آئے گا اور جلد آئے گا جب یہ زوال آشنا ہوگی، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو بھی اگر کوئی

شخص اکڑ کر چلتا ہے

تو کیا اس طرح، زمین اس کے قدموں کے بوجھ سے پھٹ جائے گی؟

کیا وہ پہاڑوں کی بلندی تک بھی کسی طرح پہنچ جائے گا؟

جب یہ کچھ ممکن نہیں ہے تو پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ انسان اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اختیار کرے جو دلوں کو بھاتا اور سروں کو جھکاتا ہے۔

پھر جہاں یہ حکم دیا کہ اعتدال و اقتصاد کا راستہ اختیار کرو، میانہ روی کو اپنا شعار بناؤ، آواز نیچی رکھو، اکڑ کر نہ چلو، لوگوں کے سامنے نخوت اور کبر و غرور کا برتاؤ نہ کرو، وہاں یہ تاکید بھی فرمادی انکسار اور فروتنی، اعتدال و اقتصاد اور خاکساری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کے سامنے جھک جاؤ، ہر شخص کی بات مان لو، پھر ارشاد ہوا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ اور کسی قسم کھانے والے ذلیل کا کہا نہ مان

۳۴

حق ہمیشہ اور ہر حالت میں پیش نظر رہنا چاہیے، کہ یہی چیز انسان کو گمراہی سے بچاتی اور سچائی سے ہم کنار کرتی ہے۔

ہر معاملے میں آنحضرتؐ اعتدال اور اقتصاد کو ترجیح دیتے تھے کہ یہی چیز انجام کار بہتر اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ آپؐ خود بھی ہمیشہ اسی پر عامل رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید کرتے رہے۔ جو لوگ اپنے کسی فعل سے راہِ اعتدال سے گریزاں نظر آتے اُن سے آپؐ خفا ہو جایا کرتے تھے۔

ذیل کی حدیث اسی حقیقت کی ترجمان ہے:

"ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں نماز نہ پڑھ سکوں گا، کیونکہ فلاں

شخص بہیں طویل نماز پڑھایا کرتا ہے۔ ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی نبی صلعم کو غصے میں نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو (دیکھو) جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اُسے چاہئے کہ ہر رکن کے ادا کرنے میں تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں مریض بھی ہیں اور کمزور بھی اور ضرورت مند بھی۔ ۳۵ھ

فضول خرچی بھی اعتدال و اقتصاد کے خلاف ہے۔ آپؐ اس سے بھی منع فرمایا کرتے تھے:

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

"کھاؤ، پیو اور صدقہ کرو، بغیر اسراف کے اور بغیر مخلیہ کے۔

۳۶ھ

جو لوگ مسجد میں اس وقت پہنچتے ہیں کہ نماز شروع ہو چکی ہو تو عجلت پسندی سے کام لیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلعم کو یہ طریق کار پسند نہ تھا:

ابو قتادہ کہتے ہیں ایک مرتبہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے آپؐ نے کچھ لوگوں کی آواز سُنی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا کیا بات تھی؟ انھوں نے کہا کہ ہم نے نماز میں (شامل ہونے کے لئے) بہت جلدی کی، آپ نے فرمایا، اب ایسا نہ کرنا، جب نماز کے لئے آؤ تو اپنے اوپر اطمینان کو لازم رکھو۔ ۳۷ھ

ذوقِ عبادت کی فراوانی شروع شروع میں انسان کو زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے پر مائل کرتی ہے، لیکن انجام کار یہ جوش قائم نہیں رہتا۔ لہٰذا انسان کو اتنی

ہی عبادت کرنی چاہیئے جتنی وہ آسانی سے کر سکے اور جس پر بغیر کسی ناگواری کے ہمیشہ قائم رہ سکے۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ تین صحابہ نے رسول اللہ کی ازواج کے پاس آکر آپ کی عبادت کا حال پوچھا اور معلوم ہونے پر اپنی عبادت کو بہت کم خیال کیا۔ تینوں کہہ اٹھے کہ کہاں ہم اور کہاں رسول اللہؐ؟۔ رسول اللہؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے شب بھر تہجد و نوافل دوسرے نے ہمیشہ روزہ داری اور تیسرے نے تازیست مجرّد رہنے کا عہد کر لیا، آنحضرتؐ نے سنا تو ان کے پاس آکر فرمایا، تم لوگوں نے یہ یہ عہد کئے ہیں؟ بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، مگر میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، نماز شب بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنّت ترک کی وہ میری امّت سے نہیں۔ ۳۸ھ

ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ جب ہم سے سمع و طاعت کی بیعت لیتے، تو آپ فرماتے، جہاں تک تم میں سکت ہو ۳۹ھ یعنی اطاعت اور عبادت دونوں میں "امکان" کی شرط خود آپؐ نے بڑھادی۔ کیا انتہا ہو سکتی ہے اس رحمت و عطوفت کی؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن کی تلاوت تک کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جی اکتا جائے تو چھوڑ دو:

حضرت جندب بن عبداللہ رسول اللہ ؐ سے راوی ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا:
قرآن پڑھتے رہا کرو، جب تک تمھارا دل چاہے اور جب دل برداشتہ ہوجاؤ تو تلاوت چھوڑ دیا کرو۔ ۴۰ھ

عبادت اور ریاضت کے سلسلے میں اپنے آپ کو تکلیف دینا اور ناروا پابندیاں عائد کرنا بھی آنحضرت ؐ کی نظر میں غیر مستحسن فعل تھا، چنانچہ:
حضرت انس کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی صلعم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسّی دو ستونوں کے درمیان لٹکی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ رسّی کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ زینب نے لٹکائی ہے۔ جب وہ تھک جاتی ہیں تو اس رسّی میں لٹک جاتی ہیں۔ حضور ؐ نے فرمایا، اس کو کھول ڈالو۔ تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ بشاشت کے ساتھ نماز پڑھے، جب کھڑا کھڑا تھک جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیئے۔ ۴۱ھ

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا:
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا، نماز کی حالت میں اگر کوئی شخص اونگھ جائے تو اسے چاہیئے کہ لیٹ جائے یہاں تک کہ نیند دُور ہو جائے، کیونکہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھتا ہے اور اونگھ جاتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ اپنے لئے دعا کر رہا ہے یا بد دعا!
۴۲ھ

خود سرکارِ دو عالم کا معمول بھی یہی تھا۔
عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ جب بھی رسول اللہ

کو دو باتوں کے درمیان اختیار دیا گیا، آپ نے جب تک وہ گناہ نہ ہو ہمیشہ ان دونوں میں سے آسان کو اختیار کر لیا، اگر گناہ ہو تو اس سے سب سے زیادہ دُور رہتے، اور رسول اللہ صلعم نے کسی چیز میں اپنے نفس کے لئے انتقام نہ لیا مگر اس وقت جب کہ اللہ کی حرمت کی اہانت کی جائے۔ تب آپ اللہ کے لئے اس کا انتقام لیتے تھے۔ ۴۲ھ

گفتگو میں بھی آپ اعتدال واقتصاد کو ملحوظ رکھتے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح ٹھہر ٹھہر کر) بات کرتے تھے کہ اگر کوئی گننے والا (حروف کا) شمار کرنا چاہتا تھا تو شمار کر لیتا۔ ۴۴ھ

اور پند و موعظت کے موقع پر بھی آپ اسی اصول پر عامل رہتے۔

حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم وعظ و نصیحت روزانہ نہیں فرماتے تھے۔ کہ ہمیں گراں نہ گزرے۔ ۴۵ھ

احسان اور عفو و درگزر کی تاکید

مکارمِ اخلاق میں عفو اور مرحمت کا بہت بڑا درجہ ہے۔ کسی کی غلطی کو معاف کر دینا، کسی کی جہالت کو برداشت کر لینا، کسی کے ظلم کو سہہ لینا، کسی کی زیادتیوں پر خاموش رہنا بجائے خود بہت بڑا وصف ہے، لیکن ان غلطیوں، زیادتیوں اور جہالتوں کو معاف کر دینا انسانیت کبریٰ کا مقام حاصل کر لینا ہے، انبیاء کی زندگی دوسروں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہوتی ہے، لہٰذا دوسروں کے مقابلے میں وہ بہت زیادہ عالی ظرف، سیر چشم، خطا پوش اور عفو و درگزر سے کام لینے والے ہوتے ہیں، ان کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں، ان پر پتھروں کی بارش کی جاتی ہے۔ ان پر تیر پھینکے جاتے ہیں، انھیں لہولہان کر دیا جاتا ہے، وہ ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن کبھی اور کسی حالت میں نہ صرف یہ کہ ان ظالموں اور سفاکوں کے لئے بددعا نہیں کرتے بلکہ اُن کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ قابو پانے کے بعد بھی انھیں معاف کر دیتے ہیں، صرف معاف ہی نہیں کرتے، نوازتے ہیں، حوصلہ افزائی کرتے ہیں عزت بڑھاتے اور سربلند کر دیتے ہیں، تاکہ اپنے کئے پر دل میں خواہ کتنے ہی نادم ہوں لیکن لوگوں کے سامنے انھیں ذلیل و شرمسار نہ ہونا پڑے۔

آنحضرت ؐ کی حیاتِ گرامی تمام تر عبارت ہے رحمت و شفقت، بخشش و عطا اور عفو و درگزر سے۔ آپ نے کبھی اور کسی حال میں ذاتی انتقام نہیں لیا، بلکہ جب کبھی ایسے مجرم آپ کے سامنے آئے تو آپ نے انھیں معاف کر دیا۔

نبیِ آخرالزماں ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح مکارمِ اخلاق کے دوسرے پہلوؤں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح عفو و درگزر کی تاکید بھی کی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ [46] پس ان کو معاف کر اور درگزر کر۔

پھر ایک دوسرے موقع پر زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمایا جاتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ○ [47] اور معافی اختیار کر اور اچھی بات کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہ۔

ایک اور موقع پر فرمایا جاتا ہے کہ قیامت آنے والی ہے جہاں سب کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اس موقع پر تمہارے نامۂ اعمال میں عفوِ جمیل کو سرِ فہرست ہونا چاہیئے ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ○ [48] اور وہ گھڑی ضرور آنے والی ہے سو تو اچھی طرح درگزر کر۔

اس کے بعد ایک اور موقع پر یہ بھی فرما دیا کہ عفو و درگزر سے کام لینا نیکی کا کام کرنا ہے اور نیک کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ [49] پس تو ان کو معاف کر اور درگزر کر، بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پھر یہ بھی بتا دیا کہ احسان کرنے والوں یعنی نیکوکاروں کا اجر کبھی بھی ضائع نہیں ہوتا:

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ [50] اور تو ثابت قدم رہ، کیونکہ اللہ نیکوکاروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

یہ بھی بتا دیا کہ حُسنِ سلوک سے پیش آنا، نیکی کا برتاؤ کرنا، احسان کرنا، دشمن کو دوست بنا دیتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ (بدی کو) اس خصلت سے جو بہت اچھی ہے دفع

بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ ۵۱ کر، پھر دیکھ کہ وہ شخص جس کو تجھ سے عداوت ہے یکایک ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ رشتہ دار دوست ہے۔

اور یہ تاکید بھی فرمائی کہ نہ صرف یہ کہ عفو و درگزر سے کام لو، بلکہ ان کی سلامتی بھی چاہو:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۵۲ اے پیغمبر تو ان سے درگزر کر اور سلام کہہ۔

جن لوگوں سے نوبت مجادلہ کی آجائے یا بحث و گفتگو کی آئے تو ان کے ساتھ بھی برتاؤ اچھا ہی بنایا گیا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۵۳ بدی کو ایسے طریق سے دفع کر کہ وہ بہت ہی اچھا ہو۔

اور عفو و درگزر سے اس لئے کام لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر احسان کرتا ہے اور اپنے بندوں کیلئے بھی توقع وہ تم سے رکھتا ہے: وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ۵۴ اور تو بھی احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ بھی کہہ دیا کہ جس طرح تمھارا احسان اور کارِ نیک ضائع نہیں جائے گا، بارگاہِ الٰہی سے اس کا اجر ملے گا، اسی طرح جو شخص بھی نیکی اور بھلائی اور احسان کو اپنا شعار بنائے گا اُسے بھی خوشخبری سُنا دو کہ اجرِ جزیل اس کا منتظر ہے:

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ۵۵ اور تو نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری دے۔

سطورِ بالا میں ہم نے آیاتِ قرآنی سے استشہاد کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عفو و صفح، رحم و درگزر اور احسان و مروّت کے سلسلے میں کیا احکام دئے ہیں۔

اب ہم یہ بتائیں گے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکامِ ربّانی اور ہدایاتِ الٰہی پر کس طرح عمل کیا اور انھیں خود برت کر دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ کی حیاتِ گرامی ایک اسوہ اور نمونہ ہے دُنیا کے لئے اس لئے ہمیں آپؐ کی حیاتِ طیّبہ میں وہ نشانات تلاش کرنا ہیں جن سے اس طرف رہنمائی ہو سکے۔

انسان خطا اور نسیان کا پُتلا ہے ۔ لغزش ہر طرح کی احتیاط کے باوجود ہو جاتی ہے اگر کسی سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوتا جو اجتماعی مفاد کے لئے ضرر رساں نہ ہوتا تو کفارہ کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ سہولت عطا فرماتے :

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ، ایک شخص آپ کے پاس عرض گزار ہوا ، یارسول اللہ میں ہلاک ہو گیا ۔ آپؐ نے پوچھا کیا ہوا ؟ اس نے کہا میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بی بی سے مجامعت کر لی ، رسول اللہؐ نے فرمایا ، کیا تیرے پاس غلام ہے جسے تو آزاد کر دے ؟ اس نے عرض کیا نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو پے درپے دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے ؟ اس نے عرض کیا نہیں ۔ آپ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے ؟ اس نے عرض کیا نہیں ۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ پھر وہ رسول اللہؐ کے پاس ٹھہرا رہا ۔ ہم اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص حضورؐ کے پاس کھجوروں سے بھرا ہوا ٹوکرا لے آیا ، آپ نے فرمایا سائل کہاں ہے ؟ اس نے عرض کیا میں حاضر ہوں ۔ آپ نے فرمایا اسے لے لے اور خیرات کر دے ، اس نے کہا یارسول اللہؐ اپنے سے زیادہ محتاج کو خیرات دوں تو اللہ کی قسم مدینہ کی دونوں سنگستانوں کے درمیان کوئی گھر میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں ہے ، یہ سُن کر رسول اللہؐ ہنسنے لگے ۔ یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں دانت کھُل گئے ۔ پھر آپ نے فرمایا " اچھا اسے اپنے ہی گھر والوں کو کھلا دے ۔

۵۶

حدیہ ہے کہ لٹیروں اور رہزنوں تک کے ساتھ آپ کا برتاؤ عفو و رحمت ہی کا تھا :

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ سے غابہ کی طرف جا رہا تھا ، جب غابہ کی

غابہ کی پہاڑی میں پہنچا تو مجھے عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک ملازم ملا۔ میں نے کہا تو یہاں کہاں؟ اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی پکڑی گئی (میں اس کی تلاش میں ہوں) میں نے پوچھا اُس کو کس نے پکڑا ہے؟ غلام نے کہا غطفان اور فزارہ نے۔ پس میں تین مرتبہ اس زور سے چلّایا کہ مدینہ بھر کو سُنا دیا۔ یا صباحاہ، یا صباحاہ (یعنی میں صبح کے وقت لُٹ گیا) بعد ازاں میں دوڑا اور ان سے جا ملا۔ جو لوگ اسے پکڑ چکے تھے۔ پھر میں نے انھیں تیر مارنے شروع کئے، اور میں کہتا جاتا تھا:

انا ابن الاکوع　　والیوم یوم الرضع

(میں اکوع کا فرزند ہوں اور آج کا دن . . . . . ہلاکت کا ہے)

چنانچہ میں نے اونٹنی ان سے چھین لی، قبل اس کے کہ وہ اس کا دودھ پئیں اور اس کو ہانک لے چلا۔ (راستہ میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملے تو میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! وہ لوگ پیاسے تھے اور میں نے قبل اس کے کہ وہ دودھ پئیں اونٹنی لے لی، آپ اُن کے تعاقب میں کسی کو بھیج دیجئے آپ نے فرمایا اے ابنِ اکوع! جب قابو پاؤ تو بخشش کرو۔" ۵۷ھ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور کئی لوگ آپ کے ہمراہ حنین سے لوٹے ہوئے آ رہے تھے، کہ کچھ اعراب رسولِ خداؐ سے سوال کرنے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہؐ کو کیکر کے درخت تک لے گئے، جہاں انھوں نے آپؐ کی چادر اتار لی۔ رسول اللہؐ کھڑے ہو گئے اور فرمایا "میری چادر دے دو۔ اگر

میرے پاس ان درختوں کے برابر بکریاں ہوتیں تو میں وہ تمھارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ تم نہ تو مجھے بخیل پاؤ گے نہ جھوٹ بولنے والا، نہ بزدل۔
۵۸

اگر آپؐ سے کوئی ناتراشیدہ شخص غیر شائستہ انداز میں کوئی مطالبہ کرتا تو آپؐ اس کی بدتمیزی کو معاف کر دیتے اور مطالبہ پورا کر دیتے:۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے ساتھ چلا جا رہا تھا آپؐ کے جسم پر ایک موٹے حاشیے کی نجرانی چادر تھی کہ ایک اعرابی نے آپؐ کو کھینچا اور اس زور سے کہ میں نے دیکھا کہ شانۂ مبارک پر زور سے کھینچنے کے باعث چادر کے حاشیے کا نشان پڑ گیا تھا۔ پھر اس اعرابی نے کہا، اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی دلوائیے۔ آپ نے تبسم فرمایا، پھر حکم دیا کہ اسے دے دیا جائے۔ ۵۹

حدیہ ہے کہ بچوں سے سلام تک میں آپ پیش قدمی فرماتے:

حضرت انس رضؓ لڑکوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کیا اور کہا: آنحضرتؐ ایسا ہی کیا کرتے تھے ۶۰

بچوں کو دیکھ کر آپؐ کا جذبۂ شفقت اور زیادہ بڑھ جاتا اور جس میں آپؐ اس جذبے کی کمی دیکھتے اُسے ناپسند کرتے:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہؐ کے پاس آیا اور کہا: آپ بچوں کو چومتے ہیں مگر ہم نہیں چومتے۔
آپؐ نے فرمایا میں اسے کیا کروں کہ خدا نے تیرے دل سے رحمت چھین

چھین لی ہے ۔ ۵۶۱

عامہ مسلمین کے ساتھ آنحضرتؐ کی رحمت وشفقت کا انداز کیا تھا۔ اس کی تشریح ذیل کی حدیث سے ہوگی :

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی ایسا جنازہ آتا جس پر قرض ہوتا تو حضورؐ دریافت فرماتے کہ کیا اس نے ادائے قرض کا کوئی بندوبست کیا ہے ؟ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ ہاں کیا ہے تو خیر، ورنہ عام مسلمانوں سے فرماتے کہ تم جاکر نماز جنازہ پڑھ لو، لیکن جب مکہ فتح ہوگیا تو حضورؐ قرض کے بارے میں کوئی سوال نہ فرماتے کہ اہلِ ایمان کا سب سے قریب تر ولی میں ہوں۔ لہٰذا جو مسلمان قرض چھوڑے اس کا ذمہ دار میں ہوں اور جو مال چھوڑے اس کے وارثوں کا ہے ۔ ۵۶۲

اسی طرح کا ایک اور واقعہ :

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ جب وہ مرگئی تو حضورؐ نے لوگوں سے اس کی بابت پوچھا : مجھے تم نے اطلاع کیوں نہ دی ؟ اچھا اب مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ چنانچہ لوگوں نے بتائی، تو آپؐ نے اس پر نماز پڑھی ۔

۵۶۳

ایک انسان جائز حدود میں اگر کسی کی مصیبت دور کر سکے، اس کے کام آسکے تو یہ بڑی اچھی بات ہے سفارش بھی اسی ذیل میں آتی ہے ۔ آپؐ اسے پسند فرماتے

ہے کہ کسی محتاج اور ضرورت مند کے لئے سفارش کے طور پر کلمۂ خیر کہہ کر کوئی دوسرا شخص بھی اپنے لئے اجر کا سامان پیدا کرے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس جب کبھی کوئی سائل آتا یا ضرورت مند حاضر ہوتا تو آپؐ ہم سے مخاطب ہو کر فرماتے:

شفاعت کرو، اجر پاؤ گے، اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔

۶۴ھ

مسجد میں عبادت کے لئے ایسے لوگ بھی آتے تھے جو تہذیب کے متعارف قاعدوں سے ناواقف ہوتے تھے، آپ کا برتاؤ اُن کے ساتھ بھی سراسر رحم و کرم کا تھا:

ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو لوگوں نے اُسے پکڑ لیا حضورؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول یا پانی کا بھرا ہوا ایک ڈول (راوی کو شک ہے) ڈال دو، کیونکہ تم لوگ آسانی کرنے والے پیدا کئے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں پیدا کئے گئے۔

۶۵ھ

انسان سے اگر غلطی ہو جائے تو ہر موقع پر وہ سزا ہی کا مستحق نہیں ہوتا۔ رحم و رعایت کا مستحق بھی ہوتا ہے۔ اور آپؐ اکثر رحم و رعایت ہی کا برتاؤ کرتے

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ حجۃ الوداع میں لوگوں کے لیے منیٰ میں ٹھہر گئے جو آپ سے مسائل پوچھتے تھے، اتنے

میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: میں نے نادانستگی میں ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اب ذبح کر لے کچھ ہرج نہیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور عرض کیا، میں نے نادانستگی میں رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا اب رمی کر لے کچھ ہرج نہیں۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ اُس دن آپ سے جس چیز کی بابت پوچھا گیا خواہ مقدم کر دی گئی ہو یا مؤخر آپ نے یہی فرمایا، اب کر لے کچھ ہرج نہیں۔ ۵۶۶

ایک موقع پر تو آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ:

جریر بن عبداللہ نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ۵۶۷

خود آپ کا جہاں تک تعلق تھا نوکروں اور خادموں تک کے ساتھ آپؐ رحم و کرم کا برتاؤ کرتے، کبھی سختی اور درشتی سے نہ پیش آتے:

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں دس برس رہا مگر آپ نے کبھی مجھ سے اُف تک نہ کہا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا! ۵۶۸

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو بیچتے وقت، خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت نرمی کرے۔ ۵۶۹

غصہ آدمی کے ہوش و حواس کو سلب کر لیتا ہے۔ ایسے مواقع پر آپؐ انسان

کی غلطی کو ہمیشہ معاف کر دیا کرتے ؛

حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ مجھے میرے دوستوں نے اس لئے کہ وہ جیش عسرت یعنی غزوۂ تبوک میں آپؐ کے ساتھ تھے رسول اللہ کے پاس سواریوں کے لئے بھیجا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہؐ! مجھے میرے دوستوں نے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ انھیں سواریاں دیں۔ آپ نے فرمایا: "بخدا میں انھیں کسی چیز پر سوار نہ کروں گا۔" آپ پہلے غصے میں تھے، مگر میں نہ سمجھا۔ اور اسی حالت میں آپ سے آکر کہنے لگا، پھر میں آپ کے منع فرمانے نیز اس خیال سے کہ کہیں مجھ سے تو آپ خفا نہیں ہوئے ڈرتا ڈرتا واپس آگیا۔ اور اپنے دوستوں سے آکر یہ قصہ کہا۔ میں تھوڑی ہی دیر ٹھہرا تھا کہ کیا سنتا ہوں بلال پکار رہے ہیں، اے عبداللہ بن قیس! میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا، تمھیں رسول اللہؐ نے یاد فرمایا ہے۔ جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو چھ اونٹوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: یہ جا ان دو اونٹوں کو اور ان دو اونٹوں کو، یعنی دو دفعہ فرمایا، اور اپنے دوستوں سے کہہ دو، اللہ یا اللہ کا رسولؐ (راوی کو شک ہے) تم کو ان پر سوار کرے گا، پس تم ان پر سوار ہو جاؤ۔ پس میں ان اونٹوں کو لے کر ان کے پاس آیا اور کہا رسول اللہؐ تمھیں ان پر سوار کرتے ہیں لیکن بخدا میں تمھیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ تم میں سے بعض میرے ساتھ ان لوگوں تک چلیں جن لوگوں نے رسول اللہؐ کی گفتگو سنی تھی، تاکہ تمھیں یہ خیال نہ ہو کہ میں نے تمھیں وہ بات بتائی تھی جسے رسول اللہؐ نے نہ کہا تھا۔ دوستوں نے کہا نہیں تم سچے ہو اور اگر تم تصدیق کرانا چاہتے ہو تو ہم ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ ابو موسیٰ ان میں سے چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جنھوں نے رسول اللہؐ کی گفتگو اور آپؐ

کے انکار کو سُن لیا تھا مگر بعد میں انھیں اونٹ دے دئے تھے، انھوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح ابوموسیٰ نے اُن سے بیان کیا تھا۔

۵۶۹

صلۂ رحم

صلۂ رحم سے مراد ہے عزیزوں، رشتہ داروں اور مستحقوں کے ساتھ امکان و استطاعت کے مطابق حسنِ سلوک کا برتاؤ ہے ایک شخص اگر دولت مند ہے تو اُسے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے فراخ دست ہونا چاہیئے، دوسرے مستحقین کے لئے بھی اس کے دل میں گنجائش ہونی چاہیئے، اس طرح ایک اچھا معاشرہ پیدا ہوسکتا ہے، اسی طرح کوئی سوسائٹی ترقی کرسکتی ہے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے بہت سی اجتماعی برائیاں اور خرابیاں دُور ہوسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صلۂ رحم کا حکم جس طرح عامۂ مسلمین کو دیا ہے اسی طرح اپنے رسولؐ کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رکھا ہے۔ بلکہ زیادہ تاکید اور وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس فریضے کی بجاآوری سے کبھی غافل نہ ہونا۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	تو رشتہ دار کو اس کا حق دیتا رہ اور
وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ	محتاج اور مسافر کو جو لوگ خدا کی رضامندی
لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ	کے طالب ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ؎	اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

پھر ایک دوسرے موقع پر یہ بھی بتادیا کہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے، کارِ خیر میں روپیہ لگانے کی کون کون سی مدات ہیں ہر مد کو وضاحت کے ساتھ بیان

کے انکار کر سُن لیا تھا مگر بعد میں انھیں اونٹ دے دئے تھے، انھوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح ابوموسیٰ نے اُن سے بیان کیا تھا۔

۵۶۹

صلۂ رحم

صلۂ رحم سے مراد ہے عزیزوں، رشتہ داروں اور مستحقوں کے ساتھ امکان و استطاعت کے مطابق حُسنِ سلوک کا برتاؤ ہے ایک شخص اگر دولت مند ہے تو اُسے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے فراخ دست ہونا چاہیئے۔ دوسرے مستحقین کے لئے بھی اس کے دل میں گنجائش ہونی چاہیئے، اس طرح ایک اچھا معاشرہ پیدا ہوسکتا ہے، اسی طرح کوئی سوسائٹی ترقی کرسکتی ہے صرف یہی ایک صورت ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے بہت سی اجتماعی برائیاں اور خرابیاں دُور ہوسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صلۂ رحم کا حکم جس طرح عامۂ مسلمین کو دیا ہے اسی طرح اپنے رسولؐ کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رکھا ہے۔ بلکہ زیادہ تاکید اور وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس فریضے کی بجاآوری سے کبھی غافل نہ ہونا۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ لہ

تو رشتہ دار کو اس کا حق دیا رہ اور محتاج اور مسافر کو جو لوگ خدا کی رضامندی کے طالب ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

پھر ایک دوسرے موقع پر یہ بھی بتادیا کہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے، کارِ خیر میں روپیہ لگانے کی کون کون سی مدات ہیں ہر مد کو وضاحت کے ساتھ بیان

فرما دیا، تاکہ کسی طرح کی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ
مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝
۵ے

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا کریں، تو سمجھا دے کہ جو مال بھی خرچ کرو، وہ ماں باپ کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اور تم کوئی سی بھی بھلائی کرو گے تو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

ان سب باتوں کو کافی نہ سمجھ کر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اپنے وہ احسانات گنواتا ہے جو اس نے آپؐ پر کئے ہیں۔ اور ان احسانات کو گنوانے کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے ضرورت مندوں، پریشان حالوں اور برگشتہ بختوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو، ان کا دکھ، ان کا درد، ان کی مصیبت، ان کی پریشانی، ان کی درماندگی اور خستگی کا صحیح احساس ہو سکے، اور پھر اس کے بعد شکرِ نعمت کے طور پر خود بخود دل میں یہ جذبہ پیدا ہو کر جو زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ہیں اُن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک اور احسان کا برتاؤ کیا جائے، ان کی زیادہ سے زیادہ اعانت اور دست گیری کی جائے، نہ انھیں جھڑکا جائے نہ اُن پر غصہ کیا جائے۔ نہ ان کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کیا جائے۔ ارشاد ہوا:

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۭ
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۭ
وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۭ
اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۠ وَوَجَدَكَ

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپؐ کو چھوڑا اور نہ دشمنی کی، آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے

ضَآلًّا فَهَدٰی ○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ○ ؎

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا، پھر ٹھکانا دیا اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا، اور اللہ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا، تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ عزیزوں اور رشتہ داروں کی اعانت اور دستگیری کرنی چاہئے، گو حاجت مندوں اور آشفتہ روزگاروں کی امداد کرنی چاہئے لیکن فضول خرچی سے اجتناب بھی ضروری ہے اس لئے کہ فضول خرچی کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی دی ہوئی نعمت صحیح موقع پر اور صحیح طور پر خرچ نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں فرمایا گیا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ ؎

یعنی اقربا میں جو لوگ کسبِ معاش سے مجبور ہوں قابلِ مدد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ذی القربیٰ سے مراد رسولؐ کے اقربا ہیں۔ ؎

اسلام نے صلۂ رحمی کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن کی آیتیں اور رسولؐ کی حدیثیں اس حقیقت کی شاہد ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس سماج اور سوسائٹی میں صلۂ رحمی کو نظر انداز کیا جاتا ہو نہ وہ پنپ سکتی ہے نہ اسے پنپنے کا حق ہے۔

اسلام جس طرح اپنے متبعین کی روحانی رہنمائی کرتا ہے، انھیں عبادت اور ریاضت پر مائل کرتا ہے اسی طرح زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی سلطانی قائم ہے۔ وہ قیصر اور کلیسا کے الگ الگ حقوق تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک ایک شخص اگر مسلمان ہے تو اسے صبح سے لے کر شام تک اور بلوغ و شعور کی منزل میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک سوسائٹی کا ایک بہتر فرد بننے کی کوشش بھی کرنا چاہیے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ اسی طرح گنہ گار ہے جس طرح کوئی فریضہ ترک کرنے سے اس پر گناہ واجب

واجب ہوتا ہے۔ ذیل کی حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے:

"حضرت جبیر بن مطعم نے رسول اللہ صلعم کو کہتے سُنا کہ آپ نے فرمایا "جنت میں قاطع (رحم) نہیں داخل ہو سکے گا"۔ ۵۷۵

آپ نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ صلۂ رحمی کرنا خود اپنے لئے فتوحات کے دروازے کھولنا ہے:

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشائش ہو اُسے چاہیئے کہ صلۂ رحمی کرے"۔

۵۷۶

کسی صورت میں آپ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص صلۂ رحمی کے سلسلے میں اس اصول کو نظر انداز کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے:

"حصین بن عامر کہتے ہیں کہ نعمان بن بشیر برسر منبر کہہ رہے تھے کہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا۔ عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں راضی نہیں ہوں جب تک رسول اللہ (اس کے جواز کی) شہادت نہ دے دیں۔ پھر وہ رسول اللہ کے پاس آئے اور عرض کیا میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے کچھ عطیہ دیا۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں آپ کی تائید حاصل کروں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کو ایسا ہی عطیہ دیا۔ کہا نہیں۔ فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اور اپنی اولاد کے مابین عدل کرو، پھر وہ واپس آئے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا"۔

۵۷۷

اپنے گھر کے بچّوں کے ساتھ بھی آپؐ کا برتاؤ رحمت و شفقت کا تھا:

"ابو قتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور اسی حالت میں امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ کو اٹھائے ہوتے جو ابوالعاص بن ربیعہ بن عبدشمس کی بیٹی تھی۔ جب آپ سجدہ کرتے تو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے اس کو پھر اٹھا لیتے۔"

۵۷۸

ذیل کی حدیث بھی ایک ایسے ہی واقعے کو اجاگر کرتی ہے:

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کو پیار کیا، (چوما) اس وقت آپ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی (بھی) بیٹھے تھے۔ اقرع نے کہا۔ میرے دس لڑکے ہیں مگر میں نے ان میں سے ایک کو بھی پیار نہیں کیا رسول اللہؐ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم کیا بھی نہیں جاتا۔"

۵۷۹

ذیل کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے:

"حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو بلا بھیجا۔ اس وقت اسامہ آنحضرتؐ کے پاس تھے اور سعد و ابیؓ بھی موجود تھے حضرت زینب کا خیال تھا کہ میری بیٹی عالمِ نزع میں ہے۔ آپ نے انھیں سلام بھیجا اور فرمایا: بیشک اللہ ہی کیلئے ہے جو اس نے لے لیا، یا دے دیا ہر چیز کا وقت اس کے نزدیک مقرر ہے۔ پس خدا سے اجر کی امید رکھنا اور صبر کرنا چاہیئے۔ پھر حضرت زینب نے آپ کو قسم دلاتے ہوئے بُلا بھیجا۔ آپ کھڑے ہوگئے ہم بھی کھڑے ہو گئے، پھر وہ بچی آنحضرتؐ کی گود میں دے دی گئی۔ اس کی سانس اکھڑ چکی تھی (یہ دیکھ کر) رسول اللہ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

آپ سے سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ کیا؟"

آپؐ نے فرمایا:

"یہ رحمت ہے، جسے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے رکھ دیتا ہے اور اللہ انھیں انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو (خود بھی) رحم دل ہوتے ہیں۔" ۳۵

رسول اکرمؐ اور کفّار و مشرکین

ایک نبی اور رسول کے لئے سب سے بڑا اور نازک مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس کی دعوت کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اسے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ اس کی دعوت کو ناکام بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔

اللہ نے سب سے پہلے اپنے نبی کو اس بات سے منع کیا کہ تم خود بھی شرک سے اپنے آپ کو آلودہ نہ ہونے دینا، اگر ایسا کیا تو تمھارا عمل ضائع اور رائگاں جائے گا۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ	اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل رائیگاں جائیں گے۔

٥١ه

اس کے بعد یہ بتایا کہ خبردار کبھی اور کسی حالت میں بھی ان کے نقشِ قدم پر نہ چلنا۔ اگر ایسا کیا تو پھر خدا سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝	اور اگر علم قطعی ہو جانے کے بعد تو ان کا اتباع کرنے لگے تو تیرا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے گا، نہ مددگار

٥٢ه

پھر اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ غیر مشتبہ انداز میں یہ بھی بتا دیا کہ سب کچھ جان چکنے کے بعد بھی اگر تم ان کافروں اور مشرکوں کے خیالات کا اتباع کرتے رہے تو تمھارا شمار اُن لوگوں میں ہوگا جو ظالم ہیں :

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۴۳ـہ	اور اگر تو علم ہو چکنے کے بعد ان کے خیالات کی اتباع کرنے لگ جائے تو بے شک تو اس وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

یہ ہدایت دینے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ کافر اور مشرک تجھے اپنے راستے پر چلنے کی دعوت دیں تو واشگاف الفاظ میں اُن سے کہہ دے :

قُلْ اِنِّیْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ ۴۴ـہ	تو کہہ دے کہ مجھے ان کی عبادت سے جن کو خدا کے سوا پکارتے ہو، منع کر دیا گیا ہے۔ (یہ بھی) کہہ دے کہ میں تمھاری خواہشات پر عمل درآمد نہیں کیا کروں گا، ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ پانے والوں میں نہ رہوں

اور اگر یہ کافر اور مشرک تیری دعوت کو ٹھکراتے ہیں، تجھے جھٹلاتے ہیں، تیری آواز پر کان نہیں دھرتے تو ہراساں اور دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں، وہ درحقیقت تجھے نہیں ہمیں جھٹلاتے ہیں۔ تو ان سے درگزر کر اور ان کا ساتھ نہ دے :

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِیْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۵ـہ	اور جب تو (اے محمدؐ) اُن لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بحث کر رہے ہیں تو اُن سے ایک طرف ہو جایا کر۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں لگ جایا کریں۔ اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو بعد نصیحت کے

ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔

ایک مرتبہ پھر تاکید کی:

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱۵۰

اور تو ان کی خواہشات پر جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور خدا کا ثانی بناتے ہیں، عملدرآمد نہ کر۔

اور اس کے بعد یہ بھی جتا دیا کہ اگر ان ہدایتوں کے بعد بھی تم نے ان کافروں اور مشرکوں کی خواہشات کا اتباع کیا تو پھر یاد رکھو خدا سے بچانے والا کوئی نہیں ہے:۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ ۳۷

اور اگر تو قطعی علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کا اتباع کرے تو اللہ کے عذاب سے بچھے نہ کوئی یار بچا سکے گا اور نہ کوئی بچانے والا۔

پھر فرمایا کہ ان کافروں اور مشرکوں سے صاف اور واشگاف الفاظ میں کہہ کیوں نہیں دیتے غلط راستے پر مت چلو، ان لوگوں کی پیروی بھی نہ کرو جو گمراہ ہیں اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلتے نہیں دیکھ سکتے:۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ۷۷

تو کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو، اور ان کے خیالات پر مت چلو جو (خود بھی) گمراہ ہوئے اور اور بھی بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

یمن بھیجا تو فرمایا: "تم ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہلِ کتاب ہے جب اس کے پاس پہنچو تو دعوت دو کہ وہ لوگ گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اگر وہ تمھاری اس باب میں اطاعت کریں پھر انھیں خبردار کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، ہر دن اور ہر رات میں، اگر اس کے بارے میں وہ تمھاری اطاعت کریں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ بھی فرض کیا ہے۔ جو اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور فقراء کو دیا جاتا ہے۔ پس اگر تمھاری ان باتوں میں اطاعت کریں تو خبردار ان کے مال و منال میں ہاتھ نہ لگانا، مظلوم کی فریاد سے ڈرتے رہو، کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان میں کوئی حجاب نہیں ہے۔"

۹۲ھ

تبلیغِ اسلام کا یہ انداز و اسلوب کس درجہ نفسیاتی ہے:

دشمنوں تک سے آپ کا سلوک احسان اور مروّت ہی کا تھا:

"حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہودیوں نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا:

"السام علیکم" (یعنی آپ کو موت آئے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں (مطلب) سمجھ گئی۔ میں نے کہا:

"وعلیکم السام واللعنۃ" (یعنی تم پر موت آئے اور لعنت ہو)

رسول اللہؐ نے فرمایا تھا:

"نرمی برتو عائشہ۔ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں رفق کو پسند کرتا ہے۔"

میں نے کہا:

"یارسول اللہ! کیا آپ نے نہیں سنا انھوں نے کیا کہا۔"

رسول اللہ نے فرمایا:

یں نے کہہ دیا تھا "وعلیکم" (یعنی تم پر)
۔ انھوں نے کہا تم پر موت آئے ۔ میں نے کہا تم پر ۔ پس یہ کافی ہے "

۹۳

ذمیّوں کے بارے میں یعنی جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہوں ارشادِ رسول ؐ ہے :
۔ جو شخص کسی معاہد (ذمّی) کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو سے محروم رہے گا ۔ اور بلا شبہ جنّت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہونے لگتی ہے "

۹۴

غیر مسلم کے جنازہ تک کا آپ احترام کرتے اور اس کی تاکید فرماتے تھے :
جابر بن عبداللہ کہتے ہیں ہمارے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے ۔ ہم بھی کھڑے ہو گئے ۔ پھر ہم نے عرض کیا :
یا رسول اللہ ! یہ تو یہودی کا جنازہ تھا ۔
آپؐ نے فرمایا :
جب کوئی جنازہ دیکھو کھڑے ہو جاؤ ۔ (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر)

۹۵

مذکورہ واقعات کے پیشِ نظر بجا طور پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ سراپا رحمت و بخشش تھے ۔ آپ خطاکاروں سے درگزر فرماتے ، گنہ گاروں کو معاف کر دیتے ، دشمنوں سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرتے ۔ مخالفوں کو محبت سے جیت لیتے :
مدینہ سے جب سرکارِ دو عالمؐ فاتح کی حیثیت سے مکّہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے کیا کیا ؟ یہ مکّہ کے لوگ وہ تھے جنھوں نے نبی اکرم ؐ کا مذاق اڑایا تھا ، دعوائے نبوت

کیا دُنیا کی تاریخ میں اس عفوِ عمومی، اس رحمت، اس رواداری اور وسعتِ قلب کی مثال ملتی ہے۔

اور ہاں یہ اوطاس (۸ھ) کے قیدی ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے طائف میں رسول اکرمؐ پر سنگ باری کی تھی۔ ہوازن کے سرداروں نے رحمتِ عالم سے عفو و کرم کی درخواست کی، آپ نے بلا تامل اپنے اور عبدالمطلب کے قیدیوں کو بغیر کسی معاوضے کے رہا کر دیا۔ آپ کی دیکھا دیکھی انصار اور مہاجرین نے بھی اپنے قیدیوں کو بغیر کسی معاوضے کے آزاد کر دیا۔ اب وہ قیدی رہ گئے جو بنو سلیم اور فزارہ کے تھے۔ انھوں نے اپنے قیدیوں کو آزاد نہ کیا۔ ہر قیدی کی قیمت چھ اونٹ قرار پائی۔ اور یہ ساری قیمت رحمتِ عالم نے خود ادا کر کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ صرف رہا ہی نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے سب کو لباس بھی مرحمت فرمایا۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قیدیوں کی ایک معقول تعداد آئی، یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کو مسلمانوں کو، داعیٔ اسلام کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے جنھوں نے کوئی دقیقہ مخالفت اور عداوت میں نہیں اٹھا رکھا تھا، لیکن رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ سے زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ یہ لوگ جب تک قید رہے ان سے نہایت اچھا برتاؤ کیا گیا۔ ان کی آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا گیا، ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو معزز مہمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان قیدیوں نے خود اعتراف کیا کہ اہلِ مدینہ اپنے بچوں سے زیادہ ان کی آسائش کا لحاظ رکھتے تھے۔

حالانکہ یاد رکھنا چاہیئے، داعیٔ اسلام کا جنگی قیدیوں کے ساتھ یہ صبر اور خوشگوار سلوک اس زمانے میں تھا، جب وقت کی مہذب اور متمدن حکومتیں

جنگی بندیوں کو غلام بنا لیتی تھیں اور ان کے ساتھ ننگِ انسانیت سلوک کرتی تھیں۔ جن کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ثمامہ بن اثال داعیٔ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ یہ گرفتار ہو کر (۶ھ) حضورؐ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا حال ہے؟ ثمامہ نے جواب دیا اگر آپ میرے باب میں قتل کا حکم دیں گے تو ایک خونی اس کا سزاوار ہے، بخش دیں گے تو شکرگزار ہوں گا۔ جرمانہ لینا چاہیں تو حاضر ہوں۔ رقم کا تعیّن کر دیجئے۔ آپ نے اسے بغیر سزا دئے یا جرمانہ لئے رہا کر دیا، رہا ہوتے ہی وہ قریب کے ایک باغ میں گیا، غسل کیا اور پھر واپس آیا اور آتے ہی مسلمان ہو گیا۔ اس نے کہا۔ اے رسول خدا میں دُنیا میں آپ سے زیادہ کسی سے نفرت نہیں کرتا تھا، لیکن اب دُنیا میں آپ سے بڑھ کر دُنیا میں میرا کوئی محبوب نہیں۔ بخدا آپ کے شہر (مدینہ) سے مجھے بے انتہا نفرت تھی، اب یہ دیار دُنیا کے ہر مقام سے زیادہ مجھے مرغوب ہے۔ بخدا آپ کا دین میرے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا لیکن اب وہی دین میرا مقصدِ حیات ہے۔!"

اپنے دیس واپس جا کر ثمامہ نے تو مسلمانانہ جوش کو کام میں لاتے ہوئے مکّہ میں اناج کا بھیجنا بند کر دیا، مکّہ والے اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکے، انھوں نے آنحضرتؐ سے استدعا کی، آپ نے اہلِ مکّہ کی مسلسل دشمنی اور عداوت کو نظر انداز کر کے ثمامہ کو لکھ دیا کہ مکّہ میں اناج کی ترسیل بدستور جاری رہے۔

یہ رحمت و عطوفت رحمت اللعالمین کے دامن کے سوا اور کہاں مل سکتی تھی،

حضرت زینب کی ننھی صاحبزادی دم توڑ رہی تھیں۔ آپ نے گود میں اٹھالیا اور آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ یہ حال دیکھ کر حضرت سعد نے پوچھا "یا حضرت یہ کیا؟" ارشاد ہوا: "یہ وہ رحم ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں بھر دیا ہے اور

خدا انھیں بندوں پر رحم کرے گا جو (اس کے بندوں پر) رحم کرتے ہیں۔"

ایک بار مکہ میں سخت قحط پڑا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے مُردار تک کھانا شروع کر دیا۔ ابوسفیان جو کہ آپ کا بدترین دشمن تھا خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور کہا "آپ تو صلۂ رحم کی تلقین فرمایا کرتے ہیں، اپنی قوم کے لئے خدا سے دعا کیجئے۔" آپ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

آنحضرتؐ مسلمانوں کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ کوہِ تنعیم سے چپکے چپکے ستّر اسّی آدمی اترے کہ نماز کی حالت میں مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے، لیکن یہ سب لوگ گرفتار ہو گئے مگر آپؐ نے ان سب کو رہا کر دیا۔ نہ کسی سے جرمانہ لیا نہ سزا دی۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

زید بن سعنہ (ایک یہودی) کے آپ مقروض تھے۔ وہ تقاضہ کے لئے آیا۔ حالانکہ وعدہ کی تکمیل میں ابھی تین دن باقی تھے۔ آپ کے شانۂ مبارک سے چادر اتار لی۔ کپڑے پکڑ لئے اور بدکلامی شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ موجود تھے، انھوں نے سختی سے اسے ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا "تمھیں چاہئے تھا کہ مجھے قرض اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اسے معقول طرح تقاضا کرنے کی ہدایت کرتے تم (میری طرف سے) اس کا قرضہ ادا کر دو، اور ہاں بیس صاع زیادہ دینا، کیونکہ تم نے اسے ڈانٹا ہے۔"

عبداللہ بن ابی راس المنافقین تھا۔ درپردہ اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف کفار و مشرکین سے سازشیں کیا کرتا تھا، اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نہایت مخلص اور جانباز مسلمان تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ حضورؐ عبداللہ بن ابی سے ناراض

ہیں، پھر یہ افواہ اڑی کہ اس کے قتل کا حکم صادر فرمانے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ کو جب یہ معلوم ہوا حضور نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، سب کو معلوم ہے کہ میں اپنے باپ سے (اس کی منافقانہ سرگرمیوں کے باوجود) کس قدر محبت کرتا ہوں لیکن اگر حضور کی مرضی ہو تو خود اس کا سر کاٹ لاؤں!" آپؐ نے فرمایا: "قتل نہیں، میں اس پر مہربانی کروں گا۔" اور پھر جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے کفن کے لئے (برائے برکت) آپ نے اپنا کرتہ مرحمت فرمایا اور خود جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ عرض کرتے رہے کہ منافق کی نماز جنازہ حضور نہ پڑھائیں

آنحضرتؐ کی اونٹنیوں کی چراگاہ ذی قرد پر قبیلہ غطفان کے چند آدمیوں نے چھاپہ مارا۔ اور بیس اونٹنیاں پکڑ لے گئے۔ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو نگہبانی پر مامور تھے ہلاک کر دیا۔ اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاقب کیا۔ تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ حضور نبوی میں آ کر عرض کناں ہوئے: "اگر کچھ آدمی مل جائیں تو سب کو گرفتار کر کے ابھی لاتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "جب قابو پاؤ تو عفو سے کام لو

خیبر کی فتح کے بعد آنحضرتؐ نے یہودیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ انھیں ہر قسم کی جائز آزادی دی گئی۔ ان کے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے۔ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعایتیں ملحوظ رکھی گئیں۔ لیکن یہودیوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ مشہور پہلوان مرحب (جسے حضرت علیؓ نے پچھاڑا تھا) کی بھاوج کی طرف سے دعوت دلوائی اس نے کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپؐ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ روک لیا۔ زینب کو بلا کر پوچھا۔ اس نے اقرار خطا کیا۔ اور مان لیا کہ زہر ملایا تھا مگر آپ نے اُسے کوئی سزا